



یہ اسلام ہے

دنیا میں تیزی سے فروغ پانے والے دین پر ایک گہری نظر



LAUNCHING
CURIOSITY

مسلمانوں کی ایک فضائی تصویر جس میں وہ کعبہ
کی طرف رواں دواں ہیں جس کی تعمیر کا حکم
اللہ نے اپنے نبی ابراہیم کو دیا اور مسلمانوں کو
ہدایت کی کہ وہ جہاں بھی ہوں اپنی نماز میں
اس کی طرف رخ کریں

THIS IS
ISLAM

یہ اسلام ہے

دنیا میں تیزی سے فروغ پانے والے دین پر ایک
گہری نظر

فہد سالم باہمام



• کیا آپ نہیں چاہتے کہ ذرائع ابلاغ پر پیش کئے جانے والے سب سے زیادہ زیر بحث دین کو زیادہ واضح انداز میں دیکھیں؟

• کیا یہ امر اس لائق نہیں کہ آپ عالمی اعداد و شمار کے مطابق سب سے زیادہ پھیلنے والے اور تیزی سے قبول کئے جانے والے دین کے بارے میں جاننے کے لئے لمحہ بھر کے لئے توقف کریں؟

• کیا آپ کو اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے کہ آپ دوسرے دوسروں لوگوں کی ثقافت، انکے زندگی، دین اور اس کائنات کے بارے میں فلسفوں کی معلومات حاصل کریں؟

• کیا یہ ممکن ہے کہ آپ دین اسلام کے بارے اس کے اصل مصادر سے حاصل کردہ قابل اعتماد معلومات کا اپنی منطق و عقل کے ذریعے سے تجزیہ کریں؟

اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں یا اس میں سے کوئی شے آپ کے لئے اہمیت اور دلچسپی کی حامل ہے تو پھر اپنے مقصد کو پانے میں یہ کتاب آپ کی مدد کر سکتی ہے۔

کتاب
کے موضوعات

12

سوالات جو ہم سب کو بے
چین کرتے ہیں



23

دین اسلام کی عالمگیریت



66

ایک خالق۔۔ ایک معبود



85

رسول درحقیقت کون ہیں؟



95

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں
اسلام کا موقف



107

رسول اسلام کون ہیں؟



180

قرآن کہاں سے
آیا؟

موضوع کی طرف جانے کے لیے اس پر کلک کریں



116 اللہ جل جلالہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم انصاف پسند لوگوں کی نظر میں



129 اللہ جل جلالہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ واقعات اور اخلاقی صفات



149 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اقوال



165 قرآن کریم اسلام کا ابدی معجزہ ہے



180 قرآن کہاں سے آیا؟



204 اسلام میں عبادات کی حقیقت؟



240 اسلام میں خاندانی نظام



240

اسلام میں خاندانی
نظام

موضوع کی طرف جانے کے لیے اس پر کلک کریں



251

اسلام میں عورت کا مقام



273

کھانے پینے کے بارے میں
اسلامی قانون



288

گناہ اور توبہ



296

دین اور عقل کا آپس کا تعلق



309

اسلام امن و سلامتی کا دین



321

اسلام اور بعض مسلمانوں کی
عملی صورتحال



دین اور عقل کا آپس کا تعلق


296

موضوع کی طرف جانے کے لیے اس پر کلک کریں





سوالات جو ہم سب کو
بے چین کرتے ہیں



ہم میں سے کون ایسا شخص ہو سکتا ہے جس نے پوری عمر میں ایک دفعہ بھی اپنے آپ سے یہ نہ پوچھا ہو کہ ماجرا کیا ہے؟ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ میری منزل کہاں ہے؟ اس کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اور تو پھر دنیا کی یہ ساری بھاگ دوڑ کیا معنی رکھتی ہے اگر انجام مر جانا، مٹی ہو جانا اور ختم ہو جانا ہی ہے؟

مسلمان اور آسمانی مذاہب کے پیرو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ کسی خالق و عادل ذات اور اخروی زندگی جس میں نیکوکار کو اس کی جزاء ملے اور کو اس کی سزا کے وجود کو مانے بغیر انسان کی زندگی عبث اور بے معنی ہے۔ اس صورت میں تو یہ بغیر کسی عوض کے محض تکلیف ہی تکلیف کا نام ہے اور بنا کسی نفع و ضمان کے اپنے آپ کو مشکلات و مصائب میں ڈالے رکھنے کے مترادف ہے۔

مسلمان اور دیگر آسمانی مذاہب کے پیرو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ کسی خالق و عادل ذات اور اخروی زندگی جس میں نیکوکار کو جزاء ملے اور بدکار کو اس کی سزا کے وجود کو مانے بغیر انسان کی زندگی عبث اور بے معنی ہے۔ اس صورت میں تو یہ بغیر کسی صلے کے عذاب و دکھوں کا نام ہے اور بنا کسی نفع و صلہ کے ایک مشق ہے۔

انسانی زندگی کے نشیب و فراز، دشوار حالات کی حکمت، غلط اور صحیح کی پہچان، اور زندگی کی تنگیوں کا ادراک تب ہی ممکن ہے کہ جب ہم ایک ایسے رب پر ایمان رکھتے ہوں جو ہر مخلوق کا خالق و مالک بھی ہے اور حکیم و عادل بھی ہے۔ جس نے اس زندگی کا ایک اختتام رکھا ہے جس کے بعد ہر شخص اپنے کئے کا صلہ پائے گا جو اس نے اپنے اعمال کی شکل میں آگے بھیج رکھا ہے۔

صرف منظبوط ایمان کے ذریعے سے ہی ہم ان اقدار اور مفاہیم جن کی ہم دعوت دیتے ہیں جیسے عدل، محبت، باہمی ہمدردی، سچائی، صبر اور شفقت، ان پر گہرا ایمان نفس سے میل کھانے والی ایک حقیقت بن جائے گا اور صرف اسی صورت میں برائیوں کا مقابلہ بامعنی ہو گا، کر گزرنے کا جذبہ کچھ ذائقہ رکھے گا اور صبر کی ایک مٹھاس ہو گی۔

قرآن کریم، مسلمانوں کی مقدس کتاب اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اللہ جل جلالہ اس ضمن میں عقل والوں اور غور و فکر کرنے والوں کے بارے فرماتا ہے:

﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ﴾ [آل عمران: 191].

» یہ لوگ آسمان و زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں کہ پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے۔«

زندگی کے تضادات، اس کی دشواریاں، غلط و صحیح اور پیش آمدہ تکالیف کو صرف تب ہی سمجھنا ممکن ہے جب ہم ایک ایسے رب پر ایمان لے آئیں جو خالق و متصرف اور حکیم و عادل ہے۔



دین اسلام

دنیا میں موجود زیادہ تر ادیان کے نام کسی شخص، قوم یا اس علاقے کی طرف منسوب ہیں جس میں وہ دین ظاہر ہوا۔ مسیحیت نے اپنا نام سیدنا مسیح سے لیا۔ یہودیت نام یہود اقبیلے سے منسوب ہے۔ جبکہ بودھ مت اپنے بانی بودھ کی طرف منسوب ہے اور ہندومت کی نسبت ہندوستان کی طرف ہے۔

جب کہ اسلام کا نام نہ تو کسی خاص شخص سے منسوب ہے اور نہ ہی کسی قبیلے، نسل یا قوم سے منسوب ہے۔ کیونکہ اسلام کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں کہ اس کی طرف اس کی نسبت کی جاتی اور نہ ہی یہ کسی انسان کا بنایا گیا ہے کہ اسکا نام اس شخصیت کی طرف منسوب ہوتا بلکہ اس کا نام تو صرف اسلام رکھا گیا ہے۔

لفظ «اسلام» کا معنی

جب ہم عربی زبان میں لفظ «اسلام» کی اصل کی طرف دیکھتے ہیں تو اس کے متعدد معانی سامنے آتے ہیں جیسے تسلیم، خضوع، اطاعت، اخلاص، امن اور اطمینان۔

اسلام سے مراد اس رب کی جو خالق و مالک ہے کامل اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے علاوہ کسی اور کی ہر قسم کی بندگی سے برآت ہے۔

یہی وہ معنی ہے جس پر قرآن کی متعدد آیات میں تاکید کی گئی ہے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جو شخص، اپنے دل اور سارے اعضاء و جوارح کے ساتھ اللہ جل جلالہ کی طرف یکسو ہو گیا، اور اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل کرنے لگ گیا، تو اس نے نجات کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا جو ٹوٹی نہیں ہے اور ایسے شخص نے ہر قسم کی خیر و بھلائی پالی۔

﴿وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾
[لقمان: 22].

﴿ اور جو (شخص) اپنے آپ کو اللہ جل جلالہ کے تابع کر دے اور ہو بھی وہ نیکو کار یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا، تمام کاموں کا انجام اللہ جل جلالہ کی طرف ہے ﴾
[لقمان: 22].

عربی زبان میں لفظ «اسلام» کے کئی معانی ہیں جسے تسلیم، عاجزی، اطاعت، اخلاص، امن اور اطمینان۔



چنانچہ اسلام سے مراد اللہ جل جلالہ کی کامل اطاعت و بندگی اور اللہ جل جلالہ کے غیر کی اطاعت و بندگی سے آزاد ہونے کا نام ہے۔ اور مسلمان وہ شخص ہے جو اپنی عبادت میں مخلص ہو، جو اندرونی طور پر خود بھی امن و امان میں رہے اور اپنے ارد گرد میں بھی امن و آتشی پھیلانے۔

کیا یہ وہی تعلیمات ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام لے کر آئے؟

اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے۔

قرآن بیان کرتا ہے کہ مختلف ادوار میں تمام امتوں کی طرف انہیں اللہ جل جلالہ کا دین سکھانے کے لئے کوئی نہ کوئی رسول بھیجا گیا۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا گیا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [فاطر: 24]

« ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ »

قرآن کریم میں وارد ہے کہ مختلف زمانوں میں آنے والی تمام امتوں کی طرف کوئی نہ کوئی رسول بھیجا گیا تاکہ انہیں اللہ جل جلالہ کا دین سکھائے۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا گیا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [فاطر: 24]

« ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ »

چنانچہ تمام رسول دین حق لے کر آئے اور ایمان، بنیادی اصولوں، دین کے احکامات اور اخلاقی تعلیمات سے متعلقہ انکا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔

اسلام جسے خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے لے کر آئے وہ اسی دین ہی کا تسلسل ہے جسے تمام رسول لے کر آئے۔ اس لئے قرآن کریم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ان تمام باتوں پر ایمان لائیں جس پر پہلے آنے والے رسول ایمان لے کر آئے جیسے ابراہیم، اسحاق، یعقوب، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ
رَبِّهِمْ لَا نَفَرَقَ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾
[البقرة: 136].

﴿اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ جل جلالہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم اسماعیل اسحاق یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ جل جلالہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے انبیا (علیہم السلام) دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے

درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ جل جلالہ کے فرمانبردار ہیں ﴿ [البقرة: 136]

یہ بات توجہ طلب ہے کہ قرآن ہمیں اس وصیت کے بارے میں بتاتا ہے جو ابو الانبیاء یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کی اور اسی طرح یعقوب علیہ السلام نے بھی بوقت وفات اپنے بیٹوں کو یہ کہہ کر وصیت کی کہ: اللہ جل جلالہ نے تمہارے لئے دین حق کا انتخاب کیا ہے۔ چنانچہ تا وقت موت، اسلام پر ثابت قدم رہنا۔

﴿وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾
[البقرة: 132].

﴿اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، کہ ہمارے بچو! اللہ جل جلالہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمایا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا﴾.
[البقرة: 132].

چنانچہ دین اسلام تمام انبیاء کے اللہ جل جلالہ کی طرف سے لائے ہوئے دین کا ایک تسلسل ہے۔ دین اسلام میں عقیدہ تو ایک ہی ہے جو کہ تبدیل نہیں ہوتا۔ شریعت میں اور دین کے تفصیلی احکامات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تاکہ شریعت کے احکام مختلف زمانوں کے حالات کے مناسب

رہیں۔ اور شریعت کے تفصیلی احکام میں تبدیلی اس وقت تک ہوتی رہی یہاں تک کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تا کہ وہ ساری انسانیت کے لئے شریعت اسلامی کو آخری شریعت قرار دیں۔

اس بنا پر قرآن اس حقیقت کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ دین ایک ہی ہے جو کہ اسلام ہے اور مختلف آسمانی مذاہب کے عقائد میں ہمیں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ تحریفات کا نتیجہ ہے جس نے ان مذاہب کو ان باتوں سے دور کر دیا جسے ان کے رسول لے کر آئے تھے۔

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ [آل عمران: 19].

﴿بے شک اللہ جل جلالہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ جل جلالہ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے اللہ جل جلالہ اس کا جلد حساب لینے والا ہے﴾ [آل عمران: 19].

دین اسلام کی عالمگیریت



یہ ایک قابل غور و عجیب امر ہے کہ قرآن کریم میں لفظ «عرب» کا ذکر کہیں نہیں آیا حالانکہ قرآن کریم عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور اللہ جل جلالہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہی عربوں میں مبعوث کئے گئے تھے۔ جبکہ آج حال یہ ہے کہ مسلمانوں میں عرب قوم اقلیت کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ مسلمانوں کی کل آبادی کے 20 فی صد سے بھی کم ہے۔ سب سے بڑا اسلامی ملک انڈونیشیا ہے جو جنوب مشرقی ایشاء کے آخر میں واقع ہے۔ بلکہ صرف ہندوستان میں بسنے والی مسلمان اقلیت کی تعداد ہی سب سے بڑے عرب ملک کی تعداد سے دوگنی ہے۔

دین اسلام تمام قوموں کے لئے رحمت اور ہدایت بن کر آیا جبکہ ان قوموں نسلی و ثقافتی وابستگیوں، انکے رسم و رواج و عادات و اطوار امر انکے علاقے ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھے۔ دین اسلام کا تمام قوموں کے لئے رحمت اور ہدایت بن کر آنے کی طرف اشارہ کر کے اللہ جل جلالہ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الأنبياء: 107].

»(اے نبی!) ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لئے صرف اور صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔«

اسلام نے جس طریقے سے مختلف انسانی نسلوں کو اپنا پیغام پیش کیا ہے نہ تو اس سے پہلے کسی دوسرے نظام نے ایسا کیا ہے اور نہ ہی کرہ ارض پر موجود کسی قوم نے۔

اگر مندرجہ ذیل قرآنی فرمان پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آیت نہ تو صرف عربوں سے مخاطب ہے اور نہ ہی صرف مسلمانوں سے بلکہ اس کا روئے سخن تمام قومیتوں اور مذاہب پر مشتمل ساری انسانیت کی طرف ہے۔ قرآن میں اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:



﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾.

«لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ جل جلالہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے یقیناً اللہ جل جلالہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے».

اس طرح قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ سب انسان چاہے ان کا رنگ و نسل کوئی کبھی ہو وہ آدم اور حواء کی اولاد ہیں اور یہ کہ ان کا رنگ و نسل کا اختلاف کسی کو کسی پر فضیلت کی بنا پر نہیں بلکہ یہ رنگ و نسل کا اختلاف صرف باہمی تعارف و شراکت اور تعاون کے لئے ہے۔ فضیلت اور فوقیت صرف اس کے لئے ہے جو اللہ جل جلالہ کی عبادت کرتا ہے اور اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

بلکہ قرآن ہماری توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کراتا ہے کہ لوگوں کے رنگ و شکل، زبانوں اور ثقافتوں کا مختلف ہونا اللہ جل جلالہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت، اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور اس کائنات میں اس کی تخلیقات کے عجائب میں سے ایک

عجوبہ ہے۔ لوگوں کے رنگ و شکل، زبانوں اور ثقافتوں کے مختلف ہونے کی عظمت اور اہمیت کا موازنہ اللہ جل جلالہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ساتھ کیا اور فرمایا ہے کہ صرف اہل علم اور غور و فکر کرنے والے لوگ ہی اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے سبق لیتے ہیں۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَاللُّوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الروم: 22].

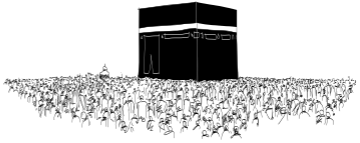
﴿اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے، دانش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں﴾ [الروم: 22].

انسانی حقوق کے آفاقی منشور کی وہ اہم اور اولین اور اہم ترین شق جو انسانوں کو مساوی آزادی، حقوق اور عزت دینے کا اعلان کرتی ہے، اسے باقاعدہ طور پر 1948ء میں تسلیم کیا گیا اور اس شق کا اجرا اس کے بہت بعد شروع ہوا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مد نے 1400 سو سال پہلے ہی اپنے خطبے میں، جس میں وہ لوگوں کو خطاب کر رہے تھے، انسانوں کے درمیان مساوات کا کھلم کھلا اعلان کر کے ایک نئے دور کی بنا رکھ دی تھی:

«يا أيها الناس، ألا إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد،
 ألا لا فإل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي،
 ولا أحمر على أسود، ولا أسود على أحمر، إلا بالتقوى»
 (أحمد: 23489).

«اے لوگو اچھی طرح سن لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور
 تمہارا باپ ایک ہے، جان لو کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور
 کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی
 کسی گورے کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے
 پر کوئی فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کی بنیاد پر»۔ (مسند
 احمد: 23489).





محمد اسلام کے رسول ہیں۔
 «اے لوگو! خوب اچھی طرح جان لو کہ تمہارا
 رب ایک ہے، اور تمہارا باپ بھی ایک ہے،
 جان لو کہ کسی عربی کو کسی بھی پر اور کسی بھی کو
 کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی گورے
 کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی
 فضیلت ہے۔ اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو
 صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر»۔



انسانی حقوق کا آفاقی منشور
 جس کی رو سے آزادی، حقوق اور عزت میں
 تمام انسان مساوی ہیں۔

ماحول کی حفاظت کرنا جزو ایمان ہے
 انسان سے متعلقہ بعض فلسفوں کے مطابق انسان اس
 کائنات کا مطلق العنان حکمران ہے۔ جو اپنے مفادات اور
 خواہشات کے مطابق بلا کسی کی پوچھ گوچھ اور روک ٹوک
 کے من چاہی زندگی گزارتا ہے ہے اگرچہ اس سے کائنات
 کے کچھ حصوں میں بگاڑ ہی کیوں نہ آتا ہو اور اس کی وجہ
 سے مخلوقات کی بعض انواع کی موت ہی کیوں نہ واقع ہو
 جاتی ہو۔ اس کے برعکس بعض مکاتب فکر کے ہاں انسان
 کو کسی بھی دوسری مخلوق پر کوئی امتیازی خصوصیت حاصل
 نہیں ہے۔ ان کے نزدیک انسان بھی کائنات میں موجود
 لکھو کھا مخلوقات میں سے ایک مخلوق کے سوا کچھ نہیں۔
 آئیں دیکھتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں اسلام کے نزدیک
 انسان کا اس کائنات کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

بنی نوع انسان کے کائنات کے ساتھ باہمی تعلق کے
 بارے میں اسلامی نقطہ نظر ایمانی اور نظریاتی تصورات
 پر قائم ہے جس میں انسانوں، جانوروں، زمین اور قدرت
 ذرائع کے ساتھ تعلق کے نظم و ضبط کے لئے تفصیلی
 احکامات دیئے گئے ہیں۔

بنی نوع انسان کے کائنات کے ساتھ باہمی تعلق کے فلسفہ
 میں اولین امر جس کی طرف ایک تحقیق کرنے والے کی
 توجہ مبذول ہوتی ہے، وہ امر وہ توازن ہے جسے قرآن بیان
 کرتا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے بنی نوع انسان کو شرافت بخشی
 اور اسے دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز بنایا۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِيلًا﴾ [الإسراء: 70]

﴿یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں
خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی
روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا
فرمائی﴾ [الإسراء: 70]

اللہ جل جلالہ نے انسان کے لئے یہ کائنات اور اس کے
آس پاس رہنے والی دیگر مخلوقات کو انسان کے لئے مسخر
فرمایا تاکہ انسان ان سے فائدہ بھی اٹھائے اور انکی رعایت
بھی کرے۔

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ
لَكُمْ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْأَنْهَارَ
- وَسَخَّرَ لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمْ اللَّيْلَ
وَالنَّهَارَ﴾ [إبراهيم: 32-33]

﴿اللہ جل جلالہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو
پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے
سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو
تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم
سے چلیں پھریں۔ اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار
میں کر دی ہیں۔﴾ [إبراهيم: 32-33]

پس بنی نوع انسان کائنات میں موجود عام لکھوکھا دیگر مخلوقات میں کوئی عام قسم کی مخلوق نہیں ہے جسے دوسری مخلوقات پر کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہو۔ بلکہ انسان تو کائنات کی ایک مشرف اور مکرم مخلوق ہے جس کے فائدے کے لئے تمام فطرتی ذرائع کو اس کے تابع کر دیا گیا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [البقرة: 29].

﴿وہ اللہ جل جلالہ جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے﴾ [البقرة: ۲۹].

تاہم اس کے ساتھ ساتھ قرآن اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ انسان اس جہان کا مطلق العنان آقا نہیں کہ اس میں جو چاہے کرتا پھرے اور یہ کہ اس کا یہ مقام اور دیگر مخلوقات پر حاصل یہ امتیاز اسے اس بات کا حق ہر گز نہیں دیتا کہ وہ اس جہان میں فساد پیدا کرے اور قدرتی ذرائع کو بے سود تلف کرے۔ بلکہ مالک تو وہ ذات ہے جو معبود بھی ہے اور خالق بھی۔ انسان کا کردار اور اس کی حیثیت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ اسے اللہ جل جلالہ نے اس جہان میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اللہ جل جلالہ نے اسے نگران

مقرر کیا ہے جسے نفع اٹھانے اور استفادہ کرنے کا حق حاصل ہے اور ساتھ ہی اسے یہ بھی حکم ہے کہ کسی انسان یا دیگر مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے لئے ضرر رسانی یا فساد کا موجب بنے بغیر بہتری اور ترقی لانے کی کوشش کرتا رہے۔

﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿61﴾ [هود: 61]، ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴿30﴾ [البقرة: 30].

اسلامی شریعت نے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے سینکڑوں قوانین اور تفصیلی ہدایات دی ہیں تاکہ انسان اور اس کے گرد موجود کائنات کے ساتھ اس پائیدار تعلق کو صحیح طور پر قائم رکھا جاسکے جن میں سے کچھ یہ ہیں:

1- حیوانات کا خیال رکھنا

رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے بہت سے ایسے اقوال منقول ہیں جن میں جانوروں کے حقوق کا خیال رکھنے کی تلقین کی گئی ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رروا رکھنے پر آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے، رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ان احادیث میں حیوانات کو ایذاء دینے سے بھی منع کیا گیا ہے اور ایسا کرنے پر اللہ جل جلالہ کی طرف سے شدید سزاؤں کی وعید ہے۔

حیوانات کے حقوق کے لئے پہلی تنظیم کا قیام برطانیہ میں 1824ء میں رائل سوسائٹی برائے حقوق حیوانات کے نام سے عمل میں آیا اور دور جدید میں متعارف ہونے والا وہ پہلا قانون جو جانوروں پر زیادتی کو جرم قرار دیتا ہے وہ برطانیہ میں 1949ء میں پاس کیا گیا۔ جبکہ اسلام نے 14 سو سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے جانوروں پر زیادتی کو حرام ٹھہرا کر اسے جرم قرار دے دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث میں اس کی بہت سے مثالیں مذکور ہیں جیسے جانوروں کو بھوکا رکھنے، انہیں تکلیف دینے، ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ لادنے اور ان کے ساتھ ایسے طریقے سے کھیلنے کی ممانعت جس سے انہیں اذیت پہنچتی ہو یہاں تک کہ جانور کے چہرے پر مارنے سے بھی منع کیا گیا۔ اس طرح کے بہت سے مشہور احکامات ہیں جو اسلامی فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اسلام نے جانور کے ساتھ نرمی پر مبنی برتاؤ کا کس حد تک خیال رکھا ہے اس کا اندازہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم اس حدیث کو پڑھ کر ہو گا جس میں وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک زناکار عورت (زنا کا شمار اسلام میں سخت ترین محرمات میں ہوتا ہے) نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے مرنے کے قریب تھا۔ اسے اس کے حال پر رحم آیا اور اس نے اپنا جوتا اتار کر کنویں سے اس میں پانی بھرا اور کتے کو پلا دیا۔ اللہ جل جلالہ نے اس کے اسی عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔

«بینما کلب یطیفُ بِرَکِیَّةٍ، کاد یقتله العطش، إذ رأته بغی من بغایا بنی اسرائیل، فنزعت موقھا فسقته فغفر لها به»
(البخاری 3280).



اسلام نے 632ء میں جانور کو بھوکا رکھنے، اسے تکلیف دینے، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے اور کسی ایسے طریقے سے اس کے ساتھ کھیلنے کو حرام قرار دیا جس سے اسے اذیت ہوتی ہو۔



جانوروں کے حقوق کی پہلی ایسوسی ایشن کا قیام 1824ء میں عمل میں آیا۔



جانوروں پر ظلم و زیادتی کو جرم قرار دینے کا سب سے پہلا قانون برطانیہ میں 1949ء میں منظور کیا گیا۔





2- نباتات کی دیکھ بھال

اسلام نباتات اور زراعت کی دیکھ بھال کی ترغیب دیتا ہے۔ چاہے وہ اپنے ذاتی فائدے کے لئے ہو یا پھر اس دنیا میں بسنے والے دیگر انسانوں اور مخلوقات کے فائدے کے لئے ہو۔

اسی کے بارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی کچھ کاشت کرتا ہے یا پھر کسی ایسی شے کے اگانے میں حصہ لیتا ہے جو جانداروں کے لئے فائدہ مند ہو اور پھر اس میں سے پرندے یا انسان یا جانور کھائیں تو وہ اس کی طرف سے صدقہ بن جاتا ہے۔ «ما من مسلم یغرس غرسا، أو یزرع زرعاً، فیأکل منه طیر أو إنسان أو بهیمة، إلا کان له به صدقة» (البخاری 2195).

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلمان سے انتہائی سخت اور شدید ترین حالات میں بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ماحول کی دیکھ بھال میں اور کاشت کاری کے ذریعے زمین کی خوشحالی اور بہتری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھے چاہے اسے اس بات کا یقین ہی کیوں نہ ہو کہ خود اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اگر اس کائنات کا سب سے بڑا واقعہ پیش آ جائے یعنی قیامت آنے کو ہو اور تم میں سے کسی شخص کے ہاتھ میں کھجور کا ایک چھوٹا پودا ہو تو اگر ہو سکے تو وہ اسے جلدی سے گاڑ دے تاکہ وہ اس کے لئے صدقہ بن جائے»۔ «إن قامت الساعة وبيد أحدكم فسيلة، فإن استطاع أن لا يقوم حتى يغرسها فليفل» (أحمد 12981).

چنانچہ آپ صلی علیہ وسلم نے زمین کو آباد رکھنے اور اس میں بہتری لانے کو سخت اور شدید ترین حالات میں بھی مقاصد اور عبادات میں سے گردانا جس سے بڑی سے بڑی شے بھی نہیں روک سکتی۔



3- قدرتی ذرائع کی دیکھ بھال

اسلام نے ماحول کے تحفظ پر زور دیا اور اس بات کی تاکید کہ کہ ماحولیاتی ذرائع کو نہ تو ضائع کیا جائے اور نہ ہی انہیں آلودہ اور خراب کیا جائے۔ اس سلسلے میں اسلام نے لوگوں کے لئے اس سلسلے کا ایک مکمل نظام کار پیش کیا جس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ «علاج سے پہلے حفاظت» اسی طرح ذاتی صفائی ستھرائی اور اس سے متعلقہ امور کو ملحوظ رکھنے، قدرتی ذرائع کے تحفظ اور ان کے استعمال میں میانہ روی اختیار کرنے پر زور دیا گیا اور ان کو خراب اور آلودہ کرنے کو جرم قرار دیا گیا۔ اس کے کچھ مثالیں یہ ہیں:

- اسلام نے قدرتی ذرائع کے اسراف کو حرام قرار دیا جن میں سرفہرست پانی ہے چاہے اس کا استعمال بغرض عبادت و ضوء کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ (وضوء سے مراد نماز سے پہلے چند مخصوص اعضاء کو دھونا ہے۔)

اسلام نے طاقتور اور اثر و رسوخ رکھنے والے افراد کو قدرتی ذرائع پر ایسی اجارہ داری قائم کرنے سے منع کر دیا

جس سے دوسرے لوگوں کو نقصان لاحق ہو۔ چنانچہ پانی (جو کہ قدرتی ذائقہ کی ایک مثال ہے)، آگ (جو تو انائیگی کی ایک مثال ہے) اور گھاس (جو کہ خوراک کی مثال ہے) کی ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا (ابو داؤد: 3477)

• اسلام نے ہر اس کام سے منع کیا ہے جس سے ہمارے ارد گرد کا ماحول خراب ہو۔ اس کی ایک مثال کھڑے پانی میں پیشاب کرنا ہے کیونکہ اس سے وہ آلودہ ہو جائے گا۔ اور اسی طرح سایہ دار جگہوں اور راستوں میں قضائے حاجت سے منع کیا کیونکہ لوگ یہاں سے گزرتے ہیں یا پھر راہ گیر سفر کی تکان و مشقت سے کچھ آرام پانے کے لئے ان کے نیچے پڑاؤ کرتے ہیں۔ یہ چند ایک مثالیں ہیں جن کا تعلق ایسے دین سے ہونا کچھ باعث حیرت نہیں جس کے رسول کے نزدیک ماحول کو آلائشوں سے پاک کرنا اور راستے سے تکلیف دہ شے کو ہٹا دینا محض ایک نیک عمل ہی نہیں بلکہ حقیقت ایمان کا ایک جزو ہے۔ (مسلم: 35)

”
 ماحول کی دیکھ بھال کرنا اور اسے آلودگی سے پاک کرنے میں حصہ لینا ایمان کا جزء ہے جیسا کہ رسول اسلام کا فرمان ہے۔



علم کا دین

یہ کوئی اتفاقی امر نہیں تھا کہ قرآن پاک میں نبی صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم پر جو قرآن کا پہلا لفظ نازل ہوا وہ «إِقرأ» (پڑھو) تھا۔ قرآن کریم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تمام ایسے علوم کی کے سیکھنے پر زور دیا گیا ہے جو انسانیت کے لئے سود مند فائدہ مند ہیں۔ یہاں تک کہ وہ راستہ جس پر مسلمان حصول علم و معرفت کے لئے گامزن ہوتا ہے وہ اسے جنت تک لے جانے کا راستہ ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من سلك طريقا يلتمس فيه علماً، سهل الله له به طريقاً إلى الجنة» «جو شخص طلب علم میں کسی راستے پر چلتا ہے اس کے لئے اللہ جل جلالہ تعالیٰ جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں»۔ (مسلم: 2699)

ایک عجیب انداز میں موازنہ کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یوں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، «ایک عالم کی فضیلت اس عابد پر، جو کہ عبادت کے غرض سے الگ تھلگ ہو ایسے ہے جیسے خود جلالہ علیہ وسلم کی سب سے کم فضیلت رکھنے والے شخص پر فضیلت ہے۔» (فیل العالم علی العابد — کف بلی علی أدناکم) (الترمذی 2685).

اس لئے اسلام میں دین اور سائنس کے مابین کبھی بھی وہ کشاکش نہیں رہی جو دیگر ادیان میں رہی ہے۔ اسلامی تاریخ میں طبعیاتی سائنس کی بنا پر اخذ کردہ نتائج کی وجہ سے کبھی بھی سائنسدانوں کے خلاف عدالتی کارروائی نہیں کی گئی جیسا کہ یورپ کے تاریک دور میں ہوتا رہا ہے۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس دین اسلام سائنسی علوم کے لئے چراغ راہ اور ان کا پشتیبان رہا ہے اور سائنسی علوم کو سیکھنے اور سکھانے کی دعوت دیتا رہے ہے۔ چنانچہ مساجد انسانیت کے لئے سود مند تمام اقسام کے علوم و معارف کے لئے مینارہ نور رہی ہیں۔

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ علم طبیعات کے اکثر مسلمان سائنسدانوں نے اپنی زندگی کا آغاز قرآن کو سیکھ اور یاد کر کے اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے ہوئے کیا اور بعد ازاں انہوں نے اپنے اپنے میدانوں اور علمی تخصصات میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

اللہ جل جلالہ تعالیٰ نے صاحب علم اور لوگوں کو اچھی بات کی تعلیم دینے والے کو فضیلت بخشی ہے اور اسے بلند ترین مراتب سے نوازا ہے۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مخلوقات اس شخص کے لئے دعا گو رہتی ہیں جو لوگوں کو اچھی بات سکھاتا ہے۔ «إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةُ فِي جِوَارِهَا وَحَتَّى الْحَوْتُ لِيَصَلُّوا عَلَى مَعْلَمِ النَّاسِ الْخَيْرِ» (الترمذی 2685)۔



LAUNCHING

CURIOSITY

CLICK HERE



”
فزکس اور علم طب کے اکثر مسلمان سائنسدانوں
نے اپنی زندگی کا آغاز قرآن سیکھنے سے کیا جو
انہیں دوسرے علوم میں مہارت حاصل کرنے
کی ترغیب دیتا ہے۔



کچھ مسلمان سائنسدان



1- الخوارزمی (790ء - 850ء، بغداد) یہ ریاضی، انجینئرنگ اور فلکیات کے عالم تھے اور علم جبر (الجبراء) کے بانی تھے۔ ان کی کتابیں بہت جلد ہی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو گئی تھیں بلکہ انہی کی وجہ سے لاطینی زبان میں بہت سے عربی کلمات شامل ہو گئے تھے جیسے Algebra اور Zero کے

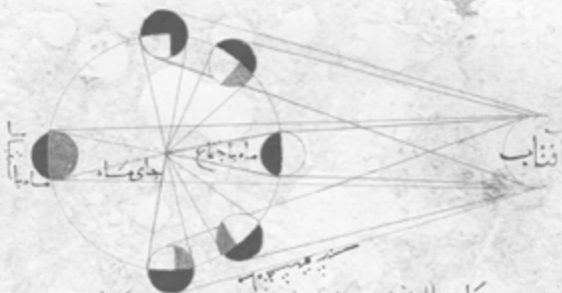
الفاظ۔



2- ابن الہیثم (965ء - 1040ء) فزکس اور انجینئرنگ کے سائنسدان ہیں جن کا تعلق ازہر یونیورسٹی سے تھا۔ علم بصریات (Optics) میں ان کی گراں قدر خدمات ہیں۔ کیمرہ کی ایجاد سے متعلق بنیادی اصول انہی کی طرف منسوب ہیں۔ اکثر محققین کا یہ کہنا ہے کہ کیمرہ کا لفظ جو بہت سی زبانوں میں پھیل چکا ہے وہ دراصل عربی لفظ ”قمرۃ“ سے جو روشنی کے اس کمرے کا نام تھا جیسے ابن الہیثم نے ایجاد کیا تھا۔



3- البیرونی (973ء - 1048ء، خوارزم) علم فلکیات کے بہت بڑے سائنسدان تھے۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کہا کہ زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے اور زمین کی کشش ثقل کی طرف بھی اشارہ کیا۔





4- الزاہر اوی (936ء - 1013ء، اندلس) ایک مسلمان طبیب اور سرجن تھے۔ سرجری کا فن انہی کے ہاتھوں پروان چڑھایا یہاں تک کہ انہوں نے سرجری کے سینکڑوں آلات ایجاد کیے اور اپنی کتابوں میں ان کا تفصیلی حال بیان کیا۔ ان کے بعد کئی صدیوں تک ان کی کتابیں مختلف زبانوں میں علم طب و جراحی کے ایک اہم مصدر کی حیثیت کی حامل رہیں۔



5- ابن سینا (980ء - 1037ء، بخاری) سائنسی حلقوں میں طیب اور مشہور فلسفی کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ وہ بہت سے طبی حقائق اور ان کے علاج کے بیان میں اپنے ہم عصروں پر سبقت لے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی ریسرچ اور طبی تحقیقات میں سائنسی تجربے کو بہت اہمیت دی جس نے انہیں صحیح ترین نتائج تک رسائی دی جو آج تک باقی ہیں اور یوں وہ اپنے ہم عصروں سے آگے بڑھ گئے۔ یہ حقیقت ان کی کتاب ”القانون“ میں پوری طرح عیاں ہوتی ہے جو سات صدیوں تک علم طب کے حصول میں ایک بنیادی ماخذ کے طور پر متداول رہی اور سترہویں صدی کے درمیان تک یورپی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی۔

علم طب میں شہرت پالینے کے بعد وہ انسانی ہمدردی کے تحت اور علم و معرفت کی نعمت عطا کرنے پر اللہ جل جلالہ کی شکر گزاری کے طور پر مریضوں کا مفت علاج کرتے تھے۔



6- ابن النفیس (1213ء - 1288ء، دمشق) شریعت اور فقہ کے علماء میں سے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان کا شمار علم طب، فزیالوجی اور تاریخ کے عظیم علماء میں بھی ہوتا تھا۔ ابن النفیس وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے درست طور پر رُوی دوران خون (Pulmonary circulation) دریافت کیا اور اسے تفصیلی انداز میں بیان کیا اور متعدد ایسے طبی نظریات پیش کئے جن کی ایک کثیر تعداد پر آج بھی عمل کیا جاتا ہے۔



اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔

بہت سے لوگ اس وقت حیران ہو جاتے ہیں جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صرف کچھ رسومات و اعمال اور چند عمومی اخلاقی تعلیمات کے مجموعے کا نام نہیں جیسے کہ بہت سے دیگر مذاہب میں ہے۔

درحقیقت اسلام کسی روحانی عمل کا نام نہیں ہے کہ جسے مسلمان مساجد میں صرف دعاء اور نماز کی شکل میں کرتے ہوں۔

اور نہ ہی اسلام محض چند آراء، عقائد یا کسی فلسفہ کا نام ہے جس پر صرف ایمان رکھنا اس کے پیروکاروں کے لئے لازم ہو۔

اسی طرح یہ محض ایک معاشی یا ماحولیاتی نظام بھی نہیں ہے۔

اور نہ ہی اسلام نظام زندگی اور معاشرے کی تعمیر کے لئے وضع کئے گئے چند قواعد اور نظریات کا نام ہے۔

اور نہ ہی یہ محض دوسرے لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں ملحوظ رکھے جانے والے اخلاقی امور اور رویوں کا۔ مجموعے کا نام ہے۔

بلکہ اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کا احاطہ کرنے والے ایک مکمل طرز عمل کا نام ہے۔ اسلام ان سب اور ان کے علاوہ بہت سے دیگر امور پر مشتمل ایک نظام زندگی ہے۔ تاہم اس کے باوجود اسلام لوگوں کی آزادی کو اس قدر محدود نہیں کرتا جس قدر ان کے لئے آسانیاں فراہم کرتا ہے۔ تاکہ تمام تر کوششیں تخلیقی و تعمیری اور تہذیبی امور پر مرکوز ہو جائیں۔ اور جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے، یہ ایک عظیم نعمت ہے جس کا احسان اللہ جل جلالہ اپنے بندوں پر جتلاتا ہے۔

﴿حَرَّمَتْ عَلَيْكُمْ أَمْيَتَةً وَالِدًا وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةَ وَالْمَوْقُوذَةَ وَالْمُتَرَدِّيَةَ وَالنَّطِيحَةَ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصَبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَمِ ذَلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَنْسُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَأَخْشَوْنَ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾
[المائدة:3].

﴿تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ جل جلالہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو یہ سب بدترین گناہ ہیں، آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے، خبردار! تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا، آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ جل جلالہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔﴾ [المائدة: 3].

اسلام تمام گوشہ ہائے زندگی کے لئے ایک مکمل ضابطہ ہے۔

جب غیر مسلموں میں سے ایک شخص نے ازراہ تمسخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی سلمان فارسی سے کہا کہ، «تمہارا یہ سیا تھی (یعنی اللہ جل جلالہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں ہر بات سکھاتا ہے حتیٰ کہ پیشاپ پاخانے کے آداب تک؟ تو اس جلیل القدر صحابی نے جواب دیا کہ ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ سب سکھایا ہے۔ پھر انہوں نے اس سلسلے میں جو اسلامی احکامات و آداب تھے وہ اسے بتائے۔ «أَجَلْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَأَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِأَقْلٍ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ» (مسلم: 262)

«اللہ جل جلالہ کے رسول صلی علیہ وسلم نے ہمیں پیشاپ پاخانے کے وقت قبلے کی طرف منہ کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں۔ اور یا ہم میں سے کوئی تین ڈیہلوں سے کم سے اپنے کو صاف کرے اور یا گوبر سے یا ہڈی سے استنجا کرے۔»



دنیا اور آخرت

مصر میں بسنے والے قدیم لوگ مردے کو حنوط کرتے اور پھر اس کی مملوکہ تمام قیمتی اشیاء اس گمان سے اس کے ساتھ ہی رکھ دیتے کہ اسے مرنے کے بعد اپنی اخروی زندگی میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔

دوسری طرف، تبت میں رہنے والے لوگ اپنے مرنے والوں کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پرندوں اور شکاری درندوں کی خوراک کے طور پر انہیں بلند مقامات پر رکھ دیتے۔ جبکہ ہندو ابھی تک اپنے مردوں کو جلا دیتے ہیں جو کہ ان کے عقیدے کے مطابق ان کی روحوں کی نجات کا واحد طریقہ ہے۔

یہ مرنے والے پر ماتم اور اسے رخصت کرنے کی مختلف رسومات کی چند مثالیں ہیں جن میں زمان و مکان کے ساتھ ساتھ مذہب اور بعد از موت لوگوں کے عقیدے کے لحاظ سے اختلاف اور تنوع آتا گیا۔ یہ جواب کی تلاش میں سرگرداں چند متعدد گہرے سوالات کے کچھ مظاہر ہیں کہ آیا کوئی اور زندگی بھی ہے؟ اگر ہے تو وہ کس طرح کی ہو گی؟ اور اس زندگی میں ہمیں کن اشیاء کی ضرورت ہو گی؟

کیونکہ موت ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کے بارے میں سب لوگ متفق ہیں کہ وہ بنا کسی استثناء کے سب کی منتظر ہے چاہے ہم کسی اور زندگی پر ایمان رکھتے ہوں یا پھر ہمارے حواس صرف انہی چیزوں تک محدود ہوں جنہیں ہم دیکھ اور چھو سکتے ہیں اور خواہ ہم اس اہم لمحے کے لئے تیار ہوں یا پھر بہت سی غافل کر دینے والی اشیاء اور مصروفیات میں لگ کر اسے جان بوجھ کر بھلانے اور نظر انداز کر دینے کی کوشش کر رہے ہوں۔

موت کی حقیقت کو نظر انداز کرنے اور بھلا دینے کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ باقی رہتا ہے اور انسان جب بھی اپنے آپ میں سوچتا ہے یہ سوال بار بار اس کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ کہ کیا موت صرف زندگی کے اختتام کا نام ہے؟ اور اس کے بعد کچھ نہیں ہے؟ کیا ہمارا وجود بے فائدہ اور عبث ہے؟

یہ ایک ایسا سوال جو بار بار ہمارے ذہنوں میں آتا ہے اور قرآن اسکو مختلف انداز میں بار بار اسے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتا ہے کہ قیامت کے دن بہت سے لوگ پشیمان اور حسرت زدہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے نہ تو کبھی اس سوال کے جواب پر غور کیا اور نہ ہی سفرِ آخرت کی کچھ تیاری کی۔ چنانچہ اس دن ان میں سے کوئی یہ کہہ رہا ہو گا:

﴿يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي﴾ [الفجر: 24]

«اے کاش میں نے اپنی اس (اخروی) زندگی کے لئے کچھ آگے بھیج دیا ہوتا»۔ اور کوئی شخص کہے گا: ﴿إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ تَرَبًّا﴾ [النبأ: 40]

«ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا (اور چوکنا کر دیا) ہے۔ جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی کو دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا»

تمامی پیروان ادیان آسمانی بہ زندگی آخرت و وجود پاداش و عذاب در آن، ایمان دارند.

اور یہ بات ہر ایک کو اچھی طرح معلوم ہے کہ تمام آسمانی مذاہب کے پیروکار اخروی زندگی اور اس میں ملنے والے ثواب و عقاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ تمام رسول جس پیام کو لے کر آئے اس کا حاصل یہی تھا۔ عقل بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ایک ایسی اخروی زندگی کے بنا جس میں حساب و کتاب ہو اور ہر انسان کو اپنے کئے کا اچھا یا برا صلہ ملے، اس دنیوی زندگی اور دین و اخلاق کا کوئی مقصد ہی باقی نہیں رہتا۔

اس کے باوجود بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دین و عبادت اور مال و دولت کمانے یا لذت یا ترقی کے حصول کا ایک ساتھ وجود ممکن نہیں ہے۔ کوئی بھی کام یا تو دنیا کے لئے ہو گا یا پھر آخرت کے لئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی وقت میں کوئی کام دنیا کے لئے بھی ہو اور آخرت کے لئے بھی بالکل ایسے ہی جیسے دن اور رات بیک وقت نہیں ہو سکتے، ایک وقت میں یا تو رات ہو گی یا دن۔

ان لوگوں کی حیرت کی کوئی انتہاء نہیں رہتی بلکہ بعض کے لئے تو اس کی تصدیق کرنا بھی مشکل ہوتا ہے جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ اسلام میں عبادت اور لذت کے مابین موجود ایسی کوئی جدائی نہیں ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم ہمیں بتاتے ہیں کہ جب انسان کسی بھی میدان میں اچھی نیت کے ساتھ کوئی صحیح کام کرتا ہے تو اس کے اس عمل پر اسے آخرت میں

ثواب ملتا ہے چاہے یہ کام لوگوں کی گزرگاہ سے کسی تکلیف
 دہ شے کو ہٹانا ہو یا پھر اپنی بیوی کے منہ میں نوالہ رکھنا
 ہو۔ (بخاری: 56)

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ نیکی
 کرنے کے متعدد طریقے ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں تو آپ
 صلی علیہ وسلم نے ایک ایسی مثال پیش کی جس سے آپ
 کے صحابہ حیران رہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا، تم میں سے جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ
 شہوت پوری کرتا ہے تو اس کے لئے اجر لکھ دیا جاتا ہے۔
 آپ کے صحابہ نے دریافت کیا: شہوت پوری کرنے کے
 ساتھ اجر کا کیا تعلق؟ اس پر رسول کریم نے فرمایا: یہ بتاؤ
 کہ اگر وہ شخص حرام طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا تو
 کیا وہ گناہ گار نہ ہوتا؟ صحابہ نے جواب دیا کہ ہاں، وہ گناہ
 گار ہوتا۔ آپ نے جواب دیا کہ اسی وجہ سے اس کے لئے
 اجر لکھا جاتا ہے کہ اس نے شہوت رانی کے لئے درست
 راستے کا انتخاب کیا۔ (مسلم: 1006)

قرآن کریم بر تعادل و ہماہنگی تاکید دارد؛ یعنی
 ہمزمان با اینکه مردم را بہ عبادت تشویق میکند تا
 پاداش آخرت را بہ دست آورند، برای تلاش در دنیا
 بہ منظور کسب روزی تاکید دارد.

چنانچہ اسلام کو جاننے والا ہر شخص شروع لمحے سے ہی دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کے درمیان موجود توازن کی حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے جیسا کہ قرآن اس کی صورت پیش کرتا ہے۔ چنانچہ جب قرآن لوگوں کو اخروی اجر کی طلب میں عبادت پر ابھارتا ہے تو عین اسی وقت اللہ جل جلالہ کے فضل کے حصول کے لئے دنیا میں محنت کرنے پر بھی زور دیتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ 9 فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ 10﴾
[الجمعة: 9-10].

«اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ جل جلالہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو»

اور ایسا کرنے پر آدمی اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے بشرطیکہ کہ اس کی اس کام سے نیت اللہ جل جلالہ کی رضا جوئی ہو۔ مسلمان کو یہ حکم ہے کہ وہ حصول رزق کے لئے اپنی ملازمت اور پیشے اور اپنی اولاد کی تربیت میں محنت کرے اور اپنی صحت اور ماحول کی دیکھ بھال کر کے اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں شامل ہو کر اللہ جل جلالہ کی

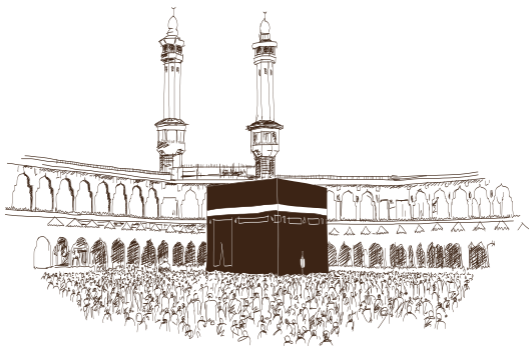
عبادت کرے بالکل ایسے ہی جیسے وہ اپنی نماز، صدقے اور روزے کے ذریعے اس کی عبادت کرتا ہے۔

یہ اس نفسیاتی تسکین اور اندرونی اطمینان کا ایک راز ہے جو مسلمان کو تب ملتے ہیں جب وہ اپنی زندگی اور آخرت میں اور اپنی لذت و عبادت میں ہم آہنگی محسوس کرتا ہے اس طرح اسے ان میں کوئی کشاکشی اور دورنگی نظر نہیں آتی بلکہ یہ سب ایک مربوط عمارت کی مانند لگتے ہیں جس کا ایک جزء دوسرے جزء کو تقویت اور سہارا دے رہا ہوتا ہے۔

اس طرح سے قرآن پر زور انداز میں ہمارے سامنے بندہ مسلم کا وہ شعار پیش کرتا ہے جس میں اسلام کا سارا فلسفہ سمو جاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ وہ بباغ دہل اس کا اعلان کر دے کہ: میری زندگی کے تمام احوال اللہ جل جلالہ کی عبادت ہیں۔ صرف میری نماز اور میری عبادت ہی اللہ جل جلالہ کے لئے نہیں، بلکہ میں اپنی زندگی کے تمام احوال پر اللہ جل جلالہ کے ہاں اجر کا امیدوار ہوں۔ وہ میرے اعمال کے بارے میں فیصلہ کرے گا اور میرے مر جانے کے بعد ان پر مجھے جزاء دے گا۔ اس وجہ سے میں اللہ جل جلالہ کے حکم اور اس کے دین یعنی اسلام پر پوری طرح کاربند ہوں۔

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾
[الأنعام: 162].

﴿آپ فرمادیکئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری
عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ جل
جلالہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔﴾ [الأنعام:
162].





باہم گھل مل کر رہنے کا دین

مسلمان سیاح احمد بن فضلان وہ سب سے پہلا شخص سمجھا جاتا ہے جس نے دقیق انداز میں روس، ڈنمارک اور اسکینڈے نیویا کے ممالک کے بہت بڑے اجزاء کا حال بیان کیا اور لوگوں کی روزمرہ کی زندگی اور معاشرے کے مزاج کا تجزیہ کیا۔

احمد بن فضلان نے 1921ء میں ایک عجیب سفر پر روانہ ہوا جس کا شمار قرون وسطیٰ کے اہم ترین ثقافتی سفروں میں ہوتا ہے۔ وہ اس وقت کے علم و تہذیب کے گڑھ یعنی بغداد سے روانہ ہوا اور بہت سے ممالک اور قوموں پر سے اس کا گزر ہوا۔ اپنے اس وقت کے مشاہدات اور

واقعات کو اس نے ایک ضخیم کتاب میں درج کیا جو روس سے ملنے والے ایک تخطی نسخے کی بنیاد پر 1923ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔

جیسا کہ ایک امریکی سکالر میخائیل کریکتون کہتا ہے کہ بغداد کے مسلمان باوجود اس کے کہ اپنے دین پر سختی سے کاربند تھے تاہم دیگر اقوام کے لئے جو اپنی ظاہری بود و پاش، طرز رہن سہن اور عقیدے میں ان سے مختلف تھیں، ان کے لئے دروازے کھلے رہتے تھے۔ اس وقت کے یہ مسلمان، اقوام عالم میں سب سے کم ترین علاقائی وابستگی رکھنے والے لوگ تھے اور یہی وہ وجہ تھی جس نے انہیں اجنبی ثقافتوں سے روشناس کرایا۔ (Michael

(Crichton, Eaters of the Dead



چنانچہ اسلام لوگوں کو تعمیری، تہذیبی اور اصلاحی کاموں میں شرکت کی دعوت دیتا ہے اور باوجود ان کے ثقافتی اور دینی اختلاف کے، انہیں اعلیٰ اخلاقی کردار اور طرز عمل کو اپناتے ہوئے باہم مل جل کر رہنے کی ترغیب دیتا ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ الگ تھلگ اور لوگوں سے دور ہو کر رہنا صحیح اسلامی طریقہ کار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو لوگوں سے الگ تھلگ اور دور ہو کر رہنے والے شخص سے زیادہ بہتر قرار دیا جو لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور ان سے پہنچنے والی تکلیف اور ان سے سرزد ہونے والی غلطیوں پر صبر کرتا ہے۔ «الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ، وَيَصْبِرُ عَلَىٰ آذَانِهِمْ، أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ، وَلَا يَصْبِرُ عَلَىٰ آذَانِهِمْ» (ابن ماجہ: 4032)

ایک خالق۔۔
ایک معبود

قرآن

قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ ایمان میں داخل ہونے کے لئے صرف نظریاتی ایمان کافی نہیں۔ چنانچہ اگر رب اور خالق ایک ہی ذات ہے تو پھر ضروری ہے کہ الہ اور معبود بھی ایک ہی ہو۔



لفظ

لفظ "اللہ" کے عربی زبان میں تین مختلف معنی ہیں۔
 ■ اس سے مراد وہ معبود ہے جس کی لئے لوگ خالص نیت کے ساتھ اپنی نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں اور ان کے دلوں اور عبادات کا رخ اسی کی طرف ہوتا ہے۔

■ وہ ذات جو اپنی ذات و صفات اور بزرگی کے اعتبار سے عظیم ہو کہ اس کی بڑائی کے سامنے عقل حیران رہ جائے اور اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہو۔

■ وہ ذات جس کے ساتھ دل جڑے ہوئے ہوں اور اس کے مشتاق ہوں، جس کے ذکر سے انہیں انسیت ملتی ہو اور اس کے قرب و عبادت سے انہیں لذت حاصل ہوتی ہو۔

قرآن تاکید کرتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کے بارے میں اپنے تصور کو درست کرنا اور ان تمام قسم کی تحریفات اور افتراء پر دازیوں سے جس سے اللہ جل جلالہ کی بزرگی اور عظمت میں کچھ کمی آتی ہو اسے پاک کرنا انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ جیسا کہ قرآن وضاحت کرتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی ذات ہی اس جہان اور اس کے نظام کی خالق و موجد ہے۔ اس جہاں میں جو کچھ بھی ہوتا ہے چاہے وہ کتنا بھی چھوٹا ہو، اللہ جل جلالہ کی ہی تخلیق ہے اور اللہ نبین ہی کی مرضی تقدیر اور علم کے ساتھ ہوتا ہے۔ کوئی بھی مادہ چاہے اس کا تعلق مخلوقات کی کسی بھی قسم سے ہو وہ اللہ جل جلالہ کے علم اور مرضی سے ہی حاملہ ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے۔ بارش کا نازل ہونے والا ہر قطرہ، شب و روز کے نظام میں واقع ہونے والی ہر قسم کی تبدیلی، چاہے ظاہر کے اعتبار سے ہو و یا باطن کے اعتبار سے، اور چاہے اس کائنات کی کسی بھی جانب ہو اللہ جل جلالہ اپنے علم و قدرت اور رحمت کے اعتبار سے اس پر محیط ہے۔

﴿إِلَيْهِ يَرُدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَآئِي قَالُوا ءَاذَنكَ مِمَّا مَنَّا مِنْ شَيْدٍ﴾ [فصلت: 47]،

﴿قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے اور

جس دن اللہ تعالیٰ ان (مشرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں، وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا گواہ نہیں ﴿ [فصلت: 47]

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمَةٍ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ [الأنعام: 59]

﴿ اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں ﴿ [الأنعام: 59]

اللہ جل جلالہ پاک کی ذات بہترین، کامل ترین اور خوبصورت ترین صفات کی حامل ہے۔ وہ قوی ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا، وہ رحیم ہے جس کی رحمت ہر شے کو محیط ہے اور عظیم ہے جس میں کسی بھی طرح سے کوئی نقص نہیں آتا۔

جب کچھ لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ جل جلالہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر ساتویں دن اللہ جل جلالہ نے آرام کیا تو قرآن نے ان کے ان بے

بنیاد دعووں کی یہ کہہ کر پوری وضاحت کے ساتھ تردید کی کہ:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾ [ق: 38]

«ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور اُن کے درمیان کی ساری چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا اور ہمیں کوئی تکان لاحق نہ ہوئی»۔

اور بیان کیا کہ یہ اور اس طرح کے دیگر باطل دعوے عقل میں صرف تب ہی در آتے ہیں جب اللہ جل جلالہ کو ذہن میں آنے والی دیگر مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دے دی جاتی ہے حالانکہ اللہ جل جلالہ کی ذات خالق ہے اور اس کے علاوہ ہر شے مخلوق ہے۔ چنانچہ خالق کس طرح سے مخلوق سے مشابہہ ہو سکتا ہے؟

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشوری: 11]

«اس کی مانند کوئی شے نہیں۔ وہ بہت ہی سننے والا اور بہت ہی دیکھنے والا ہے»۔

اسلام میں جو مسئلہ واضح ترین ہے وہ یہ ہے کہ بلاشکرتِ غیرے صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرنا واجب ہے۔ اور جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے کہ تمام رسولوں نے اسی بات کی دعوت دی۔

اللہ سبحانہ حاکم و عادل ہے جو کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور زندگی میں اس کے جن تصرفات کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ ان کی حکمت اور ان میں پوشیدہ اپنے لطف و کرم کو بھی ہمارے سامنے ظاہر کرتا ہے۔ جیسے چھوٹے بچے پر اپنے والد کے کچھ تصرفات مخفی رہ جاتے ہیں اور اسے ان کی سمجھ نہیں آتی کیونکہ ان کے مابین سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا بہت فرق ہوتا ہے بالکل اسی طرح انسانی عقل بھی بسا اوقات کسی کام میں اللہ جل جلالہ کی حکمت و مشیت کے ادا رک سے قاصر رہتی ہے۔

اسلام کی رو سے ایمان کے لئے صرف نظریاتی طور پر عقیدہ رکھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ اگر رب اور خالق ایک ہے تو پھر ضروری ہے کہ الہ اور معبود بھی ایک ہی ہو اور اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کی عبادت کرنا یا کسی سے دعا کرنا درست نہیں بلکہ عبادت بنا کسی واسطے یا سفارشی کے خالص انداز میں صرف اللہ جل جلالہ سبحانہ کی ہونی چاہئے۔ اللہ جل جلالہ کی خالق ذات ان باتوں سے برتر اور بلند ہے۔

دنیا میں بادشاہ یا سربراہ مملکت کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ خود ہی جان لے کہ ضرورت مند اور کمزور لوگ کون ہیں اور خود ہی ان تک پہنچ جائے۔ بلکہ اس کے لئے اسے معاونین، مددگاروں اور قریبی لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اسے رعیت کے احوال سے آگاہ رکھیں اور اس طرح سے وہ ان کی مدد اور دستگیری کر پائے۔

لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ کو بھی، وہ طاقت ور اور مالک و قادر ذات ہے اور ساری کائنات اس کے دست قدرت اور تصرف میں ہے۔ وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو بس اتنا حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اس لئے کسی اور ذات کی طرف کیوں کر متوجہ ہوا جائے؟

قرآن بیان کرتا ہے کہ سکونِ قلب اور انشراحِ صدر اس وقت تک پوری طرح حاصل نہیں ہوتے اور نہ ہی مکمل ہوتے ہیں جب تک کہ مسلمان اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اپنی سب ضروریات کو اس کے سامنے نہ رکھ دے۔ وہ قادر و عظیم ہے، اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے، ان سے نرمی و شفقت کا معاملہ کرتا ہے۔ ان کے قریب ہے اور جب اس کے بندے اس سے دعا کرتے ہیں تو اس سے خوش ہوتا ہے اور جس قدر وہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے سامنے اظہارِ فروتنی کرتے ہیں اسی قدر وہ ان کی تکریم کرتا ہے اور انہیں نوازتا ہے۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [البقرة: 28]

﴿تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے﴾ [البقرة: 28]

[28]

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَلِيمًا مَّا تَدْكُرُونَ﴾ 62 أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيْحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَلِيمًا تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [النمل: 62-63]

﴿ بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔

کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنہیں یہ شریک کرتے ہیں ان سب سے اللہ بلند و بالاتر ہے۔ ﴿ [النمل: 62-63]



اس لئے اسلام میں جو بات واضح ترین انداز میں بیان کر دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خالص طور پر صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی عبادت کرنا واجب ہے۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا
الطُّغُوتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ
الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكذِّبِينَ﴾ [النحل: 36]

(ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہو گئی، پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟) [النحل: 36]

اور جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے کہ سب رسولوں کی دعوت بھی یہی تھی۔ چنانچہ کوئی بھی رسول، فرشتہ یا ولی چاہے وہ جتنا بھی صالح ہو ان سے کسی بھی قسم کی دعا نہیں کی جا سکتی اس دلیل کی بنا پر کہ یہ لوگ اللہ جل جلالہ اور اس کے بندوں کے مابین واسطے ہیں کیونکہ سب اللہ جل جلالہ کی مخلوق اور اسی کے بندے ہیں اور اللہ جل جلالہ اپنے بندوں کے قریب ہے اور ان کی بات کو سنتا ہے اور جب وہ خالص اللہ جل جلالہ کی عبادت کرتے ہیں تو وہ ان کے دعاؤں کا جواب دیتا ہے۔

وہ شخص سعادت و انسیت کی مٹھاس کیوں کر نہ پائے گا جو خالص اللہ جل جلالہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور کسی قسم کے ذہنی انتشار اور اضطراب کا شکار نہ ہو۔ چنانچہ مالک بھی ایک ہے، خالق بھی ایک ہے اور معبود بھی ایک ہے۔ صرف اسی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے ورنہ صرف اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

قرآن کی عظیم ترین اور مشہور ترین سورتوں میں سے ایک چھوٹی سی سورت یعنی سورت اخلاص کا مفہوم یہی ہے۔



LAUNCHING

CURIOUSITY

CLICK HERE

قرآن یہ کہتا ہے کہ ہر شے اللہ کے علم اور قدرت سے ہوتی ہے یہاں تک کہ بارشوں کے قطرے اور درختوں کے پتوں کا گرنا بھی اللہ کے علم و قدرت میں ہے۔

سورہ اخلاص

جس میں اللہ جل جلالہ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس بات کا پوری وضاحت کے ساتھ اعلان کر دے گویا وہ اس سوال کا جواب دے رہا ہو کہ اللہ جل جلالہ کون ہے؟

- اللہ جل جلالہ ایک ہے اور عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔
- اللہ جل جلالہ ہی وہ ذات ہے جس پر سب مخلوقات بھروسہ کرتی ہیں اور اپنی حاجات طلب کرنے میں اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔
- وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا اسے جنا گیا ہو۔ اللہ جل جلالہ کی ذات اول ہے اور اس سے پہلے کوئی شے نہیں۔
- اس کی ذات و صفات میں کوئی شے بھی اس کی ہم مثل اور مشابہ نہیں ہے کیونکہ وہ خالق ہے اور اس کے علاوہ تمام اشیاء مخلوق ہیں۔



قانونِ فطرت اور قانونِ شریعت

اللہ جل جلالہ نے اس جہان کو، جس میں ہم رہتے ہیں، ایک چھوٹے سے خلیے سے بنایا اور اس سے بھی چھوٹی مخلوقات سے لے کر دور دراز واقع کہکشاؤں تک سب کچھ انتہائی درست، کامل اور عجیب نظام کے ساتھ پیدا کیا جس کے بغیر زندگی اور فطرت کا صحیح طور پر چلنا ممکن ہی نہیں۔ تمام علماء طبیعات کا یہ کہنا ہے کہ اس نظام میں کسی بھی قسم کا خلل چاہے وہ بہت تھوڑا ہی کیوں نہ ہو تباہی اور بربادی کا سبب بنے گا۔



مسلمان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ خالق جس نے اس حیرت انگیز نظام کو انتہائی درست اور محکم انداز میں پیدا کیا وہی جانتا ہے کہ اس کی مخلوق کے لئے کون سے قوانین، احکامات اور نظام حیات موزوں ہیں۔ اللہ جل جلالہ کا نازل کیا ہوا دین ہی وہ واحد نظام ہے جو انسانی زندگی کے لئے مناسب ہے اور جس کے تحت ایک دوسرے پر ظلم نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ جل جلالہ نے قرآن میں اس بات کو واضح طور پر بیان کیا کہ جس نے کائنات اور انسان کو پیدا کیا وہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ ان کے لئے کیا موزوں ہے۔

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ [الملک: 14]

« بھلا وہ نہیں جانتا جس نے (سب کو) پیدا کیا وہ بڑا باریک بین خبردار ہے۔ »





اسلام میں کوئی مذہبی اجارہ داری نہیں

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ادیان اپنے ماننے والوں میں سے بعض افراد کو دوسرے لوگوں پر کوئی امتیازی مذہبی امتیاز دیتے ہیں اور لوگوں کی عبادات اور ان کا ایمان ان افراد کی رضامندی اور موافقت سے وابستہ ہوتا ہے۔ ان مذاہب کی رو سے یہ افراد لوگوں اور خدا کے مابین واسطہ ہیں اور وہی مغفرت کرتے ہیں اور ان کے عقیدے کی رو سے وہ غیب کا علم رکھتے ہیں اور ان کی مخالفت واضح خسارے کا سبب ہے۔

جب کہ اسلام میں سرے سے مذہبی شخصیت کے نام کے کسی منصب کا وجود ہی نہیں ہے۔ اسلام نے انسان کو عزت بخشی ہے اور اسے اعلیٰ مرتبہ دیا ہے اور اسے ہر ایسی روحانی مختار کل سے آزاد کیا ہے جو اس کے اور اللہ جل جلالہ کے مابین واسطہ بننے کا دعوے دار ہو۔ چنانچہ اسلام اس بات کو بالکل بے اصل قرار دیتا ہے کہ انسانوں کی خوش بختی یا ان کی توبہ یا عبادت کچھ خاص قسم کے لوگوں کے ساتھ مربوط ہو چاہے وہ کتنے بھی صاحب فضیلت اور نیک کیوں نہ ہوں۔

اسی طرح اسلام نے انسان کو ہر اس مختار کل سے بھی آزاد کیا ہے جس کا یہ دعویٰ ہو کہ دین کا علم صرف اسی کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو اسے حاصل کرنے کا حق نہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے علم دین کے حصول اور قرآن انہی کو تمام لوگوں کا صرف حق ہی نہیں ٹھہرایا بلکہ یہ ان پر فرض کیا ہے۔ اسلام تمام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن پڑھیں، اس کے معانی میں غور و تدبر کریں اور پھر ان پر عمل کریں۔

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبْرَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ [ص: 29]

عبادات اور ایمان انسان اور اس کے رب کے درمیان کا ایک معاملہ ہے اور اس سلسلے میں کسی شخص کو نہ تو کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ ہی اسے اپنے اور اللہ جل جلالہ کے درمیان کسی واسطے یا وسیلے کی ضرورت ہے۔ اللہ جل جلالہ اپنے بندوں کے قریب ہے، وہ بندے کی پکار سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے، اس کی عبادت اور نماز کو دیکھتا ہے اور اس پر اسے ثواب دیتا ہے۔ کسی انسان کو بخشش صادر کرنے اور توبہ قبول کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ بندہ جب بھی توبہ کر لے اور سچے دل سے اللہ جل جلالہ کا ہو جائے تو یقیناً اللہ جل جلالہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔ لوگ جب بھی اللہ جل جلالہ کی طرف متوجہ ہوں اور اسے پکاریں وہ ہمیشہ

ان سب کے قریب ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل جلالہ
قرآن میں فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [البقرة: 186] « اور (اے نبی، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنا دو، شاید کہ وہ راہ راست پالیں »)





”

قرآن بیان کرتا ہے کہ لوگ جب اللہ کی طرف
متوجہ ہوتے ہیں اور اسے پکارتے ہیں تو وہ ان
سب کے قریب ہوتا ہے۔

کیا اسلام میں داخل ہونے کے لئے کوئی خاص رسومات ادا کرنا ضروری ہیں؟

جو شخص اسلام سے مطمئن چکا ہو اس کے اس میں داخل ہونے کے لئے کوئی پیچیدہ قسم کی رسومات بجالانا درکار نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ اسلام کسی خاص جگہ پہ کسی خاص شخص کے سامنے قبول کیا جائے۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ جب وہ شخص اسلام قبول کرنا چاہے تو زبان سے شہادتین ادا کر لے اس طرح کہ وہ ان کے معنی سے پوری طرح واقف ہو، ان پر یقین رکھتا ہو اور ان کے مفہوم کو وہ دل و جان سے تسلیم کرتا ہو۔ شہادتین یہ مندرجہ ذیل ہیں:

• اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں اور اس بات کا عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں صرف اور صرف اسی کی عبادت بجالاتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا)۔

• وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ (یعنی میں گواہی دیتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف اللہ جل جلالہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، میں آپ کے احکامات کی اطاعت کروں گا، آپ کی منع کردہ باتوں سے اجتناب کروں گا اور آپ کی شریعت اور سنت کے مطابق اللہ جل جلالہ کی عبادت کروں گا)۔

رسول در حقیقت
کون ہیں؟

اللہ

اللہ جل جلالہ نے لوگوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور ان کے طرف رسول بھیجے تاکہ وہ انہیں اللہ جل جلالہ کی شریعت سکھائیں، انہیں اس کے دین کی یاد دہانی کرائیں اور لوگوں کے دین و دنیا کی اصلاح کے لئے کام کریں، اپنی قوموں کے لئے ایک اچھا نمونہ بنیں، بے راہ روی کا مقابلہ کریں اور لوگوں کو راستی کی طرف بلائیں تاکہ اللہ جل جلالہ پر ایمان نہ لانے کے سلسلے میں لوگوں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے۔ چنانچہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان رسولوں کی حقیقت کیا ہے؟



رسولوں کی بشریت

قرآنی آیات کی ایک بہت بڑی تعداد اس بات پر زور دیتی ہے کہ تمام رسول بشر ہیں جنہیں اللہ جل جلالہ نے وحی اور رسالت کے لئے بطور خاص چنا۔ باوجود اس کے کہ ہمارے اور انبیاء علیہم السلام کے مابین بشری مشابہت ہے تاہم وہ پاکیزگی اور استقامت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں اس طرح کہ اللہ جل جلالہ نے انہیں اپنے پیغام اور اپنے دین کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے چنا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ [الكهف: 110]

» اے نبی کہہ دو کہ میں تو تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں، ہاں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔«

چنانچہ تمام رسول بشر ہیں، وہ اسی طرح سے پیدا ہوتے ہیں جیسے انسان پیدا ہوتے ہیں اور جیسے انسانوں کو موت آتی ہے ویسے ہی انہیں بھی موت آتی ہے، وہ انہی کی طرح بیمار ہوتے ہیں اور اپنی جسمانی ساخت اور اپنی ضروریات میں وہ ان سے کسی طور بھی مختلف نہیں ہیں۔

ان میں الوہیت کا بھی کوئی خاصہ نہیں کیونکہ الوہیت تن تنہا اللہ جل جلالہ کی ہے۔ تاہم یہ رسول ایسے انسان ہیں جن کی طرف وحی کی جاتی ہے یعنی فرشتوں کے واسطے یا دیگر طریقوں سے ان تک اللہ جل جلالہ کا حکم پہنچتا ہے۔

پہلی قوموں نے وحی پر اظہارِ تعجب کیا۔ اللہ جل جلالہ نے ان کے تعجب کو ناپسند فرمایا اور وضاحت کی کہ اس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ جل جلالہ کی ہدایت اور اس کے دین کی تعلیمات کو اس کی مخلوق تک پہنچانے کا یہی تو ذریعہ ہے۔

﴿اٰكٰنَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ ءَامَنُوْۤا اَنْ لَّهُمْ قَدَمٌ صٰدِقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالِ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [یونس: 2]

﴿کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنائیے﴾

کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا اجر و مرتبہ ملے گا۔
 کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے ﴿
 [یونس: 2]

رسولوں کے مرتبے میں میانہ روی

اللہ جل جلالہ نے اپنی مخلوق میں سے بہترین لوگوں کو
 بار رسالت کے لئے منتخب کیا۔ یہ راست روی اور نیکی کے
 بلند درجے پر فائز انسان ہیں۔ قرآن نے بیان کیا کہ تمام
 رسول ہدایت یافتہ، نیکوکار، صالح اور برگزیدہ ہیں۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن
 قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ
 وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ 84 وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ
 وَإِيلَىٰسَ كُلًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ 85 وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ
 وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ 86 وَمِن آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ
 وَإِخْوَانِهِمْ وَأَجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ 87﴾
 [الأنعام: 84-87]

﴿ اور ہم نے ان کو اسحاق دیا اور یعقوب ہر ایک کو ہم
 نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی
 اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب
 کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم
 نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں

اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو، سب نیک لوگوں میں سے تھے

اور نیز اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی

اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو، اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی ﴿[الأنعام: 84-87]﴾

اگر رسولوں میں سے کوئی رسول کسی خطا میں واقع ہو جائے تو اللہ جل جلالہ اسے اس پر برقرار نہیں رہنے دیتے بلکہ اسے تنبیہ فرماتے ہیں تاکہ وہ اس سے رجوع کر لے اور تائب ہو جائے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ جل جلالہ کی منشاء کو جان بوجھ کر تجاوز نہیں کرتے بلکہ ایسا اجتہادی غلطی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

قرآن بیان کرتا ہے کہ تمام رسول بشر ہیں جن کو اللہ نے وحی اور رسالت کے لئے مخصوص کیا۔

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن انبیاء رسول اللہ کا انتہائی دقیق انداز میں ذکر کرتا ہے جس میں نہ تو مبالغہ آرائی ہے اور نہ ہی کچھ حق تلفی۔ چنانچہ از روئے قرآن یہ رسول کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے سے مبرا یعنی معصوم ہیں، تاہم اس کے باوجود بشر ہیں، نہ تو وہ خدا ہیں اور نہ ہی خدا کی بیٹے اور نہ ہی انہیں کوئی خدائی اور ربانی خصوصیات حاصل ہیں۔

اس کی وضاحت قرآن کے بیان کردہ اس مکالمے سے ہوتی ہے جو روز قیامت ہو گا تا کہ اللہ جل جلالہ اس کے ذریعے واضح کر دیں کہ لوگ اللہ جل جلالہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی جو عبادت کرتے رہے اس سے وہ بری الذمہ ہیں:

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّي إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعَلَّمَ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَٰلِمُ الْغُيُوبِ 116 مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا إِلَهًا رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مِمَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ 117﴾ [المائدة: 116-117]

قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم شان اور انہیں
 جھوٹے الزامات سے مبراء بیان کرنے کے لئے ان
 کے نام کو 25 مرتبہ ذکر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کا
 136 مرتبہ ذکر کیا

«جب اللہ جل جلالہ فرمائے گا کہ: اے عیسیٰ ابن مریم!
 کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری
 ماں کو بھی خدا بنا لو؟ تو وہ جواب جلالہ! میرا یہ کام نہ تھا
 کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے
 ایسی بات کہی ہوتی تو تجھے ضرور علم ہوتا۔ تو جانتا ہے جو کچھ
 میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل
 میں ہے، تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کا عالم ہے۔ میں نے
 اُن سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے حکم دیا تھا،
 یہ کہ اللہ جل جلالہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور
 تمہارا رب بھی۔ میں اُسی وقت تک ان کانگراں تھا جب
 تک کہ میں ان کے درمیان تھا۔ جب تو نے مجھے واپس بلا
 لیا تو پھر تو ان پر نگراں تھا اور تو تو ساری ہی چیزوں پر
 نگراں ہے۔»

رسولوں سے متعلق اسلام کا موقف

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قرآن میں صرف اللہ جل جلالہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور خبریں ہیں۔ یہ لوگ اس وقت شدید حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب انہیں علم ہوتا ہے کہ قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیمِ شان اور جھوٹے الزامات سے آپ کی براءت بیان کرتے ہوئے 25 مرتبہ آپ کا ذکر آیا ہے جب کہ موسیٰ علیہ السلام کا 136 دفعہ ذکر آیا ہے اور اس کے مقابلے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن نازل ہوا ان کا ذکر صرف 5 مرتبہ آیا ہے۔

اکثر مذاہب کے لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے وجود کا اعتراف نہیں کرتے اور ان میں سے کچھ تو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے عداوت بھی رکھتے ہیں لیکن جو شخص قرآن کا مطالعہ کرتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی آیات میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ تمام رسولوں پر ایمان نہ لے آئے اور یہ کہ اگر اس نے ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا یا کسی کی رسالت میں شک کیا یا پھر اس پر کوئی جھوٹی تہمت لگائی تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ چنانچہ اسلام اس پر زور دیتا ہے کہ رسول اور اسے ماننے والے مومن ہر اس بات پر ایمان لاتے ہیں جسے وہ اللہ

جل جلالہ کے ہاں سے لے کر آیا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ جل جلالہ پر، اس کے فرشتوں پر اور تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے اس ایمان میں ان کے مابین کسی میں فرق روا نہیں رکھتے۔

﴿إِنَّمَا آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ [البقرة:

[285]

﴿رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے، انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے،﴾ [البقرة: 285]

قرآن سے واقف ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس کی متعدد سورتوں کے نام انبیاء علیہم السلام کے نام پر رکھے گئے ہیں جیسے ابراہیم اور یوسف۔ بلکہ اللہ جل جلالہ نے ایک سورت کا نام عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پاکہ آمن مریم علیہا السلام کے نام پر رکھا۔

عیسیٰ علیہ السلام
کے بارے میں
اسلام کا موقف

عیسیٰ علیہ السلام کو تاریخ کی اہم ترین شخصیات میں سے خیال کیا جاتا ہے اور ان عظیم شخصیات میں آپ کا شمار ہوتا ہے جنہوں نے انسانیت کی بھلائی کے لئے کام کیا۔ آپ کے بارے میں لوگ مختلف موقف رکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ نے تو آپ کو معبود بنا لیا، کچھ نے رب کا بیٹا قرار دیا اور کچھ نے آپ سے دشمنی مول لی اور آپ میں خامیاں نکالیں اور جھوٹے الزامات لگائے۔ آئیں دیکھتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں اسلام کا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا موقف ہے؟

Holy
Bible

1 عیسیٰ علیہ السلام ایک عظیم رسول ہیں

قرآن اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام رسولوں میں سے ایک عظیم اور بلند مرتبہ رسول ہیں اور یہ کہ ان کی والدہ مریم علیہا السلام ایک سچی اور اپنے رب کی فرماں بردار و عبادت گزار خاتون تھیں۔ وہ عقیف و پاکدامن اور کنواری تھیں۔ اللہ جل جلالہ عز و جل کی قدرت سے وہ بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہو گئیں۔ اللہ جل جلالہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایک پائندہ معجزے سے پیدا فرمایا بالکل اسی طرح جیسے آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور بغیر ماں کے تخلیق فرمایا تھا۔ قرآن میں

اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے: عیسیٰ ایک ہمیشہ رہنے والے معجزہ ہے۔ جیسے اللہ جل جلالہ نے آدم کو بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا کیا بالکل ویسے ہی اس نے عیسیٰ کو اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کر دیا، وہ جب کسی شے کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ [آل عمران: 59]

«اللہ جل جلالہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام ایسے ہی ہے جیسے آدم کہ جب اس نے آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ تو وجود میں آ جا تو وہ وجود میں آ گیا»۔

مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات پر ایمان رکھتا ہے

2

اسی طرح مسلمان ان معجزات پر بھی ایمان رکھتا ہے جو اللہ جل جلالہ نے ان کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے جیسے کوڑھی اور اندھے کا علاج کرنا، مردوں کو زندہ کرنا اور لوگ جو کچھ کھاتے اور جو کچھ اپنے گھروں میں رکھ چھوڑتے اس کا بتا دینا۔ یہ سب کچھ اللہ جل جلالہ کے حکم سے ہوتا تھا۔ اللہ جل جلالہ نے اسے آپ کی نبوت و رسالت کی سچائی کی ایک صریح دلیل بنا دیا تھا۔

ان پر اللہ جل جلالہ کی مقدس کتاب انجیل نازل ہوئی

قرآن اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی عظیم ترین کتابوں میں سے ایک کتاب یعنی انجیل نازل کی جو لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت اور نور و رحمت تھی اور یہ کہ تاریخی سفر کے دوران اس میں بہت سی تحریف و تاویل واقع ہوئی۔

وہ بشر ہیں نہ کہ معبود

اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔ اللہ جل جلالہ نے آپ پر کرم فرمایا اور بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور آپ کے ہاتھوں پر بہت سے معجزات جاری فرمائے۔ ربوبیت اور الوہیت کی خصوصیات میں سے کوئی بھی خصوصیت آپ کو حاصل نہیں جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے قرآن میں فرمایا کہ: عیسیٰ علیہ السلام صرف اور صرف ایک صالح بندے ہیں جن پر ہم نے اپنا انعام کیا اور انہیں معجزات عطا کئے تاکہ وہ اپنی قوم کے لئے نشانی بن جائیں اور انہیں بھلائی کی راہ دکھلائیں۔

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾

[الزخرف: 59]

«وہ تو صرف ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا تھا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے مثال بنایا تھا»۔

5 عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب نہیں چڑھایا گیا تھا بلکہ انہیں آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا

اسلامی نقطہ نظر کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ ہی انہیں صلیب چڑھایا گیا بلکہ اللہ جل جلالہ نے انہیں آسمان کی طرف اٹھا لیا تھا۔ جب عیسیٰ کے دشمنوں نے انہیں قتل کرنا چاہا تو اللہ جل جلالہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شبہت کسی اور شخص پر ڈال تھی جس کی وجہ سے وہ آپ کے مشابہ ہو گیا۔ ان لوگوں نے اسے عیسیٰ علیہ السلام سمجھتے ہوئے ہوئے قتل کر دیا اور صلیب چڑھا دیا جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ حالت میں آسمان کی طرف اٹھا لیا جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے۔ :

﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتَّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا 157 بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا 158﴾

[النساء: 157-158]

﴿ اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح
 عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے
 قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے ان (عیسیٰ) کا
 شبیہ بنا دیا گیا تھا۔ یقین جانو کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام)
 کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں
 شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینہ
 باتوں پر عمل کرنے کے اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے انہیں
 قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا
 اور اللہ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے ﴿ [النساء:

[158-157]



انبیاء علیہم السلام کا شجرہ

اللہ جل جلالہ کے مبعوث کردہ انبیاء علیہم السلام بہت سارے ہیں جن میں سے بعض زیادہ مشہور ہیں۔ ان سب پر اللہ جل جلالہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

آدم

علیہ السلام ابوالبشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ جل جلالہ نے انہیں مٹی سے پیدا فرمایا اور فرشتوں سے انہیں سجدہ کروایا اور پھر انہیں جنت سے زمین پر اتار دیا۔

نوح

علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی لیکن انہوں نے آپ کی بات نہ مانی چنانچہ ان پر طوفان کا عذاب نازل کر دیا گیا۔ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے وہ کشتی میں سوار ہو کر اس طوفان سے بچ گئے۔

ابراہیم

علیہ السلام ابو الانبیاء اور عظیم رسولوں میں سے ہیں۔ آپ نے اللہ جل جلالہ کی توحید کی دعوت دی۔ مسلمانوں کے قبلہ یعنی خانہ کعبہ کو سب سے پہلے ابراہیم نے ہی تعمیر کیا۔

اسماعیل

علیہ السلام، آپ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر میں اپنے ابا کا ہاتھ بٹایا تھا۔

اسحاق

علیہ السلام آپ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ فرشتوں نے آپ کے ابا ابراہیم کو آپ کی ولادت کی خوشخبری آپ کی پیدائش سے پہلے ہی دے چکے تھے۔

يعقوب

عليه السلام اسحاق عليه السلام کے بیٹے تھے آپ کا ذکر اسرائیل علیہ السلام کے نام سے بھی کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

يوسف

عليه السلام يعقوب عليه السلام کے بیٹے تھے۔ آپ بہت سی آزمائشوں سے گزرے اور بالآخر مصر کے حکمران بنے۔

موسى

عليه السلام عظیم رسولوں میں سے ہیں۔ اللہ جل جلالہ نے آپ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا اور آپ پر توریت نازل کی اور معجزات کے ذریعے آپ کی مدد فرمائی۔ مصر کے فرعون نے آپ کو جھٹلایا تو اللہ جل جلالہ تعالیٰ نے اسے سمندر میں غرق کر دیا جب کہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی بچ گئے۔

داؤد

علیہ السلام وہ جلیل القدر نبی ہیں جنہیں اللہ جل جلالہ نے ان کی قوم پر بادشاہی عطا فرمائی تھی۔

سلیمان

علیہ السلام داود علیہ السلام کے بیٹے اور نبی تھے۔ اللہ جل جلالہ نے آپ کو بہت عظیم بادشاہت عطا فرمائی تھی اور بہت سی مخلوقات کو آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا۔

زکریا

علیہ السلام بنی اسرائیل میں آنے والے اللہ جل جلالہ کے انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی ہیں۔ آپ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم علیہا السلام کے سرپرست اور ان کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار تھے۔ آپ کے بڑھاپے اور آپ کی بیوی کے بانجھ پن کے باوجود اللہ جل جلالہ نے آپ کو بیٹا یعنی یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔

عیسیٰ

علیہ السلام آپ عظیم رسولوں میں سے ایک رسول ہیں۔ اللہ جل جلالہ نے آپ کو بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ پر انجیل نازل کی اور کئی قسم کے معجزات سے آپ کی تائید فرمائی۔

محمد

صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ جل جلالہ نے آپ کو تمام انسانیت کی طرف بھیجا ہے۔ آپ اپنے سے پہلے آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا جس میں باطل نہ آگے سے در آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

رسول اسلام
کون ہیں؟

محمد اسلام کے نبی کا نام ہے۔
آج کل یہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ استعمال ہونے
والا نام ہے۔ اس کا معنی ہے وہ شخص جس کی لوگ
تعریف کریں اور اس کے اخلاق و افعال پر اس کی
ثناء بیان کریں۔

چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد کون ہیں؟

رسولِ اسلام کا نام

محمد بن عبد اللہ جل جلالہ بن عبد المطلب بن ہاشم القرشی
(570ء - 632ء) سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ:

• محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے
اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں

اللہ جل جلالہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قوم و نسل
کے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور سب لوگوں پر
آپ کی اطاعت کو واجب کیا۔ اس کے بارے میں قرآن
کہتا ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الأعراف:

[158

» اے نبی کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف
بھیجا گیا اللہ جل جلالہ کا رسول ہوں۔» -

• آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا گیا

اللہ جل جلالہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی آخری اور سب سے عظیم کتاب یعنی قرآن نازل کیا جس کا مقابلہ کرنے کے لئے باطل نہ تو اسکے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اسکے پیچھے سے۔

• آپ خاتم الانبیاء علیہم السلام اور خاتم المرسلین ہیں

اللہ جل جلالہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا چنانچہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

﴿وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ [الأحزاب: 40]

» بلکہ آپ تو اللہ جل جلالہ کے رسول اور انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔«



رسولِ اسلام صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم کا مختصر تعارف

1- ولادت

آپ جزیرہ نمائے عرب کے مغرب میں واقع مکہ میں ۵۷۰ء عیسوی میں پیدا ہوئے۔ آپ پیدائش کے وقت یتیم تھے اور کم سنی میں ہی اپنی ماں سے بھی محروم ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے پہلے اپنے دادا عبدالمطلب کے زیر کفالت پرورش پائی اور ان کے بعد اپنے چچا ابوطالب کی نگرانی میں آگئے اور ان کی کفالت میں ہی جوان ہوئے۔

2- آپ کی زندگی اور پرورش

آپ نبوت سے پہلے اپنے قبیلے میں چالیس سال تک رہے (570ء - 690ء)۔ آپ اپنے قبیلے میں حسنِ اخلاق کا نمونہ اور راست روی اور امتیازی پن کے لحاظ ضرب المثل تھے۔ لوگوں کے مابین آپ صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ چرواہے کے طور پر کام کرتے رہے، بعد ازاں آپ نے بطور تاجر بھی کام کیا۔

اللہ جل جلالہ کے رسولِ اسلام سے پہلے ہر طرف سے یکسو ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے دین کے مطابق اللہ جل جلالہ کی عبادت کرتے اور بتوں کی پوجا اور بت پرستانہ اعمال کا انکار کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ امی تھے یعنی پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بطور نبی بعثت

جب اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہو گئے اور جبل نور (مکہ کے قریب واقع پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ) پر واقع غار حراء میں غور و فکر کرتے رہتے اور اللہ جل جلالہ کی عبادت میں مشغول رہتے تو آپ کے پاس اللہ جل جلالہ کی طرف سے وحی آئی اور قرآن پاک کا نزول شروع ہو گیا۔ آپ پر قرآن کی جو سب سے پہلے آیت نازل ہوئی وہ اللہ جل جلالہ کا یہ فرمان تھا:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ [العلق: 1]

»اپنے رب کے نام سے مدد چاہتے ہوئے پڑھو جس نے تمہیں پیدا کیا«۔ تاکہ اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ یہ بعثت علم و خواندگی اور لوگوں کے لئے نور و ہدایت کے ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ پھر تیس سال تک مسلسل قرآن کا نزول ہوتا رہا۔



4- آپ صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز

اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی طرف تین سال تک مخفی انداز میں دعوت دیتے رہے۔ بعد ازاں آپ نے اسے ظاہر کر دیا اور مزید دس سال تک مکہ میں کھلم کھلا دعوت دی۔ آپ کے زیادہ تر پیروکار کمزور اور غریب لوگ تھے جیسا کہ تمام رسولوں کے پیروکار ہوا کرتے ہیں۔ اس مدت میں اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کو آپ کے قبیلے قریش کی طرف سے بدترین ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے ان قبائل کے سامنے اسلام کو پیش کیا جو حج کے لئے مکہ آتے تھے۔ ان میں سے اہل مدینہ نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور مسلمانوں نے آہستہ آہستہ مدینے کی طرف ہجرت شروع کر دی۔

5- آپ کی ہجرت

آپ نے 622ء میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی جس کا نام اس وقت یثرب تھا اور آپ کی عمر 53 سال تھی۔ جب آپ کے مخالفین سرداران قریش نے آپ کو قتل کرنے کی سازش کی تو آپ ہجرت کر گئے۔ مکہ میں آپ دس سال تک اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے اور اس دوران آپ نے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی اور مکارم اخلاق اور اسلام کے دیگر شرعی احکامات اپنانے کی تلقین فرمائی۔



6- اسلام کی نشرو اشاعت

ہجرت (622ء - 632ء) کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تہذیب کے مرکز کی بنیاد رکھی اور اسلامی معاشرے کی امتیازی خصوصیات کی بنا ڈالی۔ آپ نے قبائلی عصیت کو ختم کیا، علم پھیلایا اور انصاف و راست روی، بھائی چارے، باہمی تعاون اور نظم و ضبط کو قائم کیا۔ کچھ قبائل نے اسلام کے خاتمے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں متعدد جنگیں پیش آئیں جن میں اللہ جل جلالہ نے اپنے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ بعد ازاں لوگ پے در پے اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ مکہ اور جزیر نمائے عرب کے بیشتر شہر اور قبائل خود اپنی مرضی سے اس دین کے قائل ہو کر اس میں داخل ہو گئے۔

7- آپ کی وفات

ہجرت کے گیارہویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغام رسالت پہنچا چکے اور اللہ جل جلالہ نے دین کو مکمل فرما کر لوگوں پر نعمت کا اتمام کر دیا تو آپ کو بخار ہو گیا اور مرض کی شدت بڑھ گئی۔ آپ کی وفات ربیع الاول 11 ہجری بمطابق 6 اگست 632ء کو دن کے وقت ہوئی جب کہ آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ آپ کو مسجد نبوی کے پہلو میں آپ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن کیا گیا۔ فی السنة (۱۱) للهجرة النبوية، وبعد أن بلغ رسول الله الرسالة، وأتم الله النعمة على الناس بإكمال الدين، أصيب النبي ﷺ بالحمى وثقل به

المرض، وتوفي ﷺ في نهار يوم الاثنين ربيع الأول سنة ۱۱هـ، ويوافق (۸/۶/۶۳۲م)، وله بضع وستون عامًا، ودفن بيت زوجته عائشة بجانب المسجد النبوي.



اللہ جل جلالہ کے رسول محمد
صلی اللہ علیہ وسلم انصاف پسند
لوگوں کی نظر میں

کوئی بھی منصف مزاج شخص چاہے کسی بھی ثقافتی پس منظر سے تعلق رکھتا ہو، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ پڑھتا ہے تو آپ کی سیرت طیبہ کے ہر پہلو سے حیران اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے تمام علماء، فلاسفہ اور ادباء اس بات کی گواہی دیتے ہیں اور اپنے کتابوں اور مقالات میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

مہاتما گاندھی کہتے ہیں « میں نے اس شخص صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جاننا چاہیں جو بنا کسی اختلاف کے لاکھوں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ مجھے اس بات پر پورا یقین ہو گیا کہ



اسلام نے تلوار کے ذریعے اپنی جگہ نہیں بنائی بلکہ یہ اس رسول کی سادگی، کسر نفسی، وعدوں کا احترام، اپنے دوستوں اور پیروکاروں کے ساتھ شدید لگن اور اخلاص، بہادری و بے خوفی اور اپنے رب اور مشن پر مکمل اعتماد تھا جس نے یہ سب کچھ ممکن بنایا۔ یہی وہ صفات تھیں جنہوں نے راہ ہموار کی اور تلوار سے پہلے آگے بڑھ کر مشکلات پر قابو پایا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوسرے حصے کے مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد مجھے اس بات پر افسوس ہوا کہ آپ کی عظیم زندگی کے بارے میں مزید جاننے کے لئے اور کچھ نہیں ہے۔»

Collected Works by Mahatama Gandhi, Vol.

25, p. 127

» میں نے اس شخص کی صفات جاننا چاہیں جو بنا کسی اختلاف کے لاکھوں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ مجھے اس بات پر پورا یقین ہو گیا کہ اسلام نے تلوار کے ذریعے اپنی جگہ نہیں بنائی» (گاندھی)

اپنی کتاب «تاریخ کی سو بڑی شخصیات» میں **مائیکل ہارٹ** نے ان سو شخصیات کا آغاز محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور یہ کہہ کر اس کی وجہ بیان کی کہ: «تاریخ کی اہم ترین اور عظیم شخصیات میں سب سے پہلی شخصیت کے طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چناؤ بہت سے قارئین کے لئے باعث حیرت ہو سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پوری تاریخ میں محمد ہی وہ واحد شخص ہے جسے دینی اور دنیاوی دونوں سطح پر اتنی زبردست کامیابی حاصل ہوئی»۔



(Hart, Michael H. (2017). The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History. 1st ed. Carol Publishing Group, p.3)

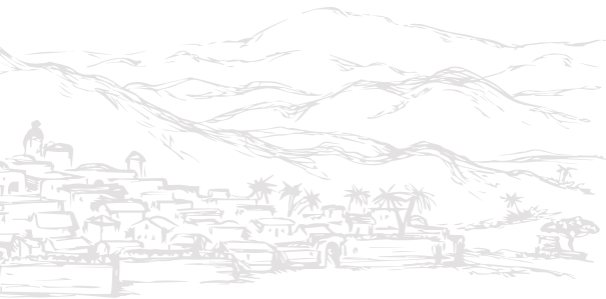
تاریخ " میں لکھتا ہے: " اگر مقصد کی بلندی، وسائل کی کمی اور نتائج کی وسعت کسی شخصیت کی عبقریت کا معیار ہوں تو پھر کون یہ جرات کر سکتا ہے کہ تاریخ جدید کی



کسی شخصیت کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موازنہ کرے" - (Histoire de la Turquie، جلد:1، صفحہ: 111)



ہندوستانی فلسفی راما کرشنا کہتا ہے: «حالات تو بدل گئے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ فتح ہو یا شکست، اقتدار ہو یا پھر مشکلات، امیری ہو یا غریبی وہ ان صفات کے ساتھ وہی شخص رہتا ہے جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اللہ جل جلالہ کی مشیت ہے کہ وہ تبدیل نہیں ہوتے»۔



جرمنی کا عظیم شاعر گوٹے اپنی
محبوبہ کو لکھے گئے ایک خط میں
بیان کرتا ہے کہ وہ اسلام اور
محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کس
قدر متاثر ہے۔ کاترینا مومزن
اپنی کتاب میں گوٹے کے بارے
میں لکھتی ہے کہ:



» وہ اگرچہ ستر سال کا ہو چکا تھا تاہم اس کی اسلام کے
بارے میں پسندیدگی میں کچھ کمی نہیں آئی تھی بلکہ وہ
مزید بڑھتی اور مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔«

(Goethe und die arabische Welt، صفحہ: 177)

پروفیسر اسٹوبارٹ کہتا ہے: ”پوری انسانی تاریخ میں
ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
شخصیت کے قریب بھی لگتی ہو۔ کتنے کم وسائل کے ساتھ
آپ نے کتنے عظیم اور نادر کارنامے سرانجام دیئے! اگر
ہم اس اعتبار سے تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں نبی عربی
کے نام سے زیادہ روشن اور واضح نام کوئی اور نہیں ملے
گا۔“ (Islam and Its Founder، صفحہ: 227-228)

سایمن اوکلی اپنی کتاب «مسلم سلطنت کی تاریخ» میں لکھتا ہے: «اسلام کی دعوت کا پھیلنا باعث حیرت نہیں بلکہ حیران کن بات تمام ادوار میں اس دعوت کو حاصل رہنے والا تسلسل اور



استحکام ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ پر جو اثرات چھوڑے تھے وہ موجود دور میں قرآن پر ایمان لانے والے ہندوستانی، افریقی اور ترک باشندوں کے دلوں میں بھی اسی شان اور اسی قوت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔»

(History of the Saracen Empire، ص 45)

» محمد نے مکہ اور مدینہ پر جو اثرات چھوڑے تھے وہ موجود دور میں قرآن پر ایمان لانے والے ہندوستانی، افریقی اور ترک باشندوں کے دلوں میں اب بھی اسی شان اور اسی قوت کے ساتھ پائے جاتے ہیں»
(سایمن اوکلی)



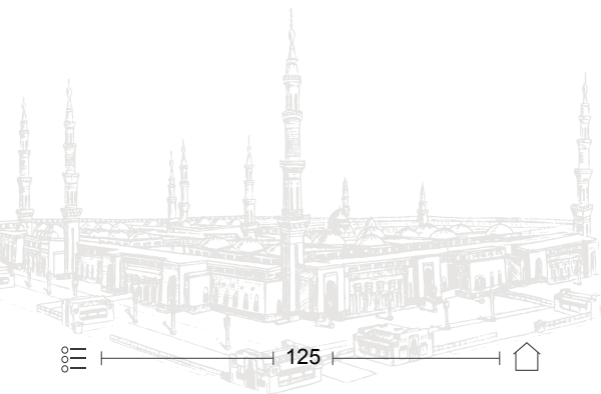
ول ڈیورانٹ اپنے مشہور
انسائیکلو پیڈیا «تہذیب کی کہانی»
میں یوں رقم طراز ہے:

اگر ہم کسی بڑی شخصیت کے
لوگوں پر اثرات کو معیار بناتے
ہوئے فیصلہ کریں تو ہمیں یہ ماننا
پڑے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تاریخ کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔ انہوں نے ایک ایسی
قوم کو روحانی اور اخلاقی طور پر بلند کرنے کا بیڑہ اٹھایا جو
گرمی اور بے آب و گیاہ صحراء کی بدولت وحشت و بربریت
کی زندگی گزار رہی تھی۔ اس مقصد کی تکمیل میں آپ
کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس میں تاریخ کا کوئی بھی دوسرا
مصلح آپ کا مقابلہ نہیں کرتا۔ شاذ و نادر ہی کوئی شخص اپنے
خوابوں کو اس طرح سے پورا کر پاتا ہے۔ آپ نے جب
اپنی دعوت کا آغاز کیا تو عرب ایک خشک اور بجز صحراء تھا
جس میں بت پرست قبائل بستے تھے۔ ان کی تعداد کم تھی
اور باہم اتحاد کا فقدان تھا۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو یہ
ایک متحد قوم بن چکے تھے۔ آپ نے تعصب اور خرافات
کی روک تھام کی اور یہودیت، عیسائیت اور اپنے علاقے کے

قدیم دین کے مقابلے میں ایک آسان، واضح اور طاقتور دین کی بنیاد رکھی اور جرات و بہادری اور قومی حمیت پر مشتمل ایک ایسا ضابطہ اخلاق پیش کیا جس کی بنا پر آپ کی صرف ایک پشت کو ہی سو معرکوں میں فتح حاصل ہوئی اور ایک صدی کے اندر اندر بہت بڑی سلطنت قائم ہو گئی جو آج بھی نصف دنیا میں ایک زبردست قوت کے طور پر اپنا وجود رکھتی ہے۔

Durant, Will (1950). The Story of Civilization: The age of faith. 1st ed. New York: Simon and Schuster, vol.IV, p.174





محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سخت ترین دشمن اسلام قبول کرنے کے بعد ایک بہت عجیب واقعہ بیان کرتا ہے اور وہ یہ کہ جب 628ء میں اللہ جل جلالہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہر قل روم کے پاس پہنچا تو وہ اس سے بہت متعجب ہوا اور حکم دیا کہ اس کے پاس عرب کے علاقے سے آنے والے کسی ایسے شخص کو لایا جائے جو اس رسول کو جانتا ہو اور اس کی اس سے رشتہ داری ہو۔ ابو سفیان بغرض تجارت شام میں موجود تھا۔ (اور وہ قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے تھا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا)۔ چنانچہ ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کو محل میں بلایا گیا اور ہر قل نے اپنے مترجم کے واسطے سے اس سے بہت ہی پر ذہانت اور پر حکمت سوالات کئے تاکہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و کذب کو جان سکے۔ جب اس نے ابو سفیان سے اپنے سوالوں کا جواب سن لیا تو مخاطب ہو کر کہنے لگا:

میں نے تم سے اس کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے کہا کہ وہ تم میں عالی نسب ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اپنی قوم میں عالی نسب ہی بھیجے جاتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے اس سے پہلے اس طرح کی بات کی؟ تم نے کہا کہ نہیں۔ اگر اس سے پہلے کسی نے ایسی بات کی ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ وہ اپنے سے پہلے گزر جانے والے کسی شخص کی تقلید کر رہا ہے۔

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا دعوائے نبوت سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹا کہتے تھے؟ تم نے بتایا کہ نہیں۔ اس پر میں جان گیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ جل جلالہ کے معاملے میں جھوٹ کہنا شروع ہو جائے!

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا قوم کے بڑے لوگ اس کے پیرو ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے کہا کہ کمزور لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے اور یہی لوگ ہی رسولوں کے پیرو ہوا کرتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تم نے جواب دیا کہ وہ بڑھ رہے ہیں۔ ایمان کا معاملہ ایسے ہی ہوا کرتا ہے حتیٰ کہ وہ پورا ہو جائے۔

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص دین قبول کرنے لینے کے بعد اسے ناپسند کرتے ہوئے اس سے مرتد ہوتا ہے؟ تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ ایمان کی تازگی جب دلوں میں رچ بس جائے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ اور رسول ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ تم نے جواب دیا کہ وہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اللہ جل جلالہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہراؤ اور وہ تمہیں بتوں کی پوجا سے روکتا ہے اور نماز پڑھنے، سچائی اپنانے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیتا ہے۔

اگر تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے تو وہ عنقریب میرے ان قدموں کے مابین کی جگہ کا مالک بنے گا۔ مجھے علم تھا کہ نبی آنے والا ہے لیکن میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اگر میں جانتا ہوتا ہے کہ میں اس تک پہنچ سکتا ہوں تو میں اس سے ملنے کے لئے ہر مشکل برداشت کرتا۔ (بخاری: 7)



اللہ جل جلالہ کے رسول محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ
واقعات اور اخلاقی صفات



اللہ

اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انسانی اخلاق کی اعلیٰ ترین مثال تھے۔ مشرق و مغرب کے سب منصف مزاج لوگ اور آپ کے دشمن بھی اس کی گواہی دیتے ہیں یہاں تک کہ خود قرآن نے آپ کے اخلاق کا عظیم ہونا بیان کیا۔



جب آپ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ جل جلالہ کے رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس دقیق انداز میں آپ کے اخلاق کا حال بیان کیا کہ: «آپ کے اخلاق عین قرآن تھے»۔ یعنی آپ قرآن کی تعلیمات اور اس میں بیان کردہ اخلاقی اوصاف کا ایک عملی نمونہ تھے۔ ذیل میں مختصر انداز میں آپ کے کچھ واقعات اور اخلاقی اوصاف پیش کئے جاتے ہیں:

اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو بلکہ آپ اپنے صحابہ کو ایسا کرنے سے منع فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ باوجود آپ سے شدید محبت رکھنے کے، جب آپ کو آتا ہوا دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اسے پسند نہیں کرتے۔ (مسند احمد: 12345)

عدی بن حاتم اپنے قبول اسلام سے پہلے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی حقیقت جاننے کے لئے آئے۔ وہ عرب کے معزز اور بڑے لوگوں میں سے تھے۔ عدی کہتے ہیں کہ: «میں آپ صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک عورت اور دو بچے یا ایک بچہ بیٹھے ہیں۔ عدی بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ اس پر میں جان گیا کہ آپ کسری اور قیصر کی طرح بادشاہ نہیں ہیں (بلکہ نبی ہیں)»۔ (مسند احمد: 19381)۔ انکساری تمام انبیاء علیہم السلام کی اخلاقی صفت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ انہی میں سے ایک فرد کی طرح تشریف فرما ہوتے اور بیٹھنے میں کوئی ایسا انداز نہ اپناتے جس سے آپ اپنے گرد بیٹھے دیگر لوگوں سے ممتاز ہوتے ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی اجنبی شخص

جو آپ کو پہچانتا نہ ہوتا تھا جب آپ کی مجلس میں آتا تو آپ کے اور آپ کے صحابہ کے مابین فرق نہیں کر پاتا تھا اور پوچھتا تھا کہ تم میں سے محمد کون ہے؟ (بخاری: 63)

آپ کے صحابہ میں سے ایک صحابی کا بیان ہے کہ باوجود اپنی مصروفیت کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ضروریات اور مصالح پورا کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے چاہے وہ جتنے بھی معمولی ہوتے۔ بسا اوقات تو یہ ہوتا کہ اہل مدینہ کی خادمہ عورتوں میں سے کوئی عورت آ کر آپ کا ہاتھ تھام کر اپنی کسی ضرورت کی خاطر آپ کو ساتھ لے جاتی۔ (بخاری: 5724)

جلیل القدر صحابی عمر بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ اللہ جل جلالہ کے رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر عمر بن خطاب رو پڑے۔ اللہ جل جلالہ کے رسول نے دریافت کیا: «ما بیک؟» «تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟»۔ عمر نے جواب دیا: «یا رسول اللہ! کسری اور قیصر تو عیش و تنعم میں ہیں جب کہ آپ اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں (لیکن اس کے باوجود یہ حال ہے!)»۔ اس پر آپ صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أما ترضی أن تكون لهم الدنيا ولنا الآخرة؟» «کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت»۔ (بخاری: 3503)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتی اشیاء کو خود درست کرتے، اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے اور گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ جب عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر کس حال میں ہوتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: « آپ اپنے گھر والوں کے کام کاج میں لگے رہتے »۔ یعنی ان کی خدمت میں مصروف رہتے۔ اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بھی کہنا تھا کہ: « آپ وہی کچھ کرتے تھے جو تم میں سے کوئی شخص کرتا ہے: اپنا جو تا مرمت کرتے اور اپنے کپڑوں پر پیوند لگاتے »۔ (مسند احمد: 24749)

اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لا یدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر » « جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا »۔ (مسلم: 91)

رسول اسلام اپنی ذاتی اشیاء خود درست کرتے، اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے اور گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

آپ صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُم مَّن فِي السَّمَاءِ»

«رحم کرنے والوں پر رحمن بھی رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، جو ذات آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گی»۔ (ابو داؤد: 4941)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی متعدد گوشوں میں عیاں ہوتی ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں:

بچوں پر شفقت

● اگرچہ نماز اسلام کا ستون ہے جس میں گفتگو کرنا یا بہت زیادہ ہلنا جلنا جائز نہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو بھی اٹھا رکھا تھا۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو اسے اتار دیتے اور جب سجدے سے اٹھتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے۔ (بخاری: 494)

● جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے اور اسی دوران آپ کو کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی تو نماز کی ادائیگی میں جلدی فرماتے اور اسے مختصر کر دیتے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أَطُولَ فِيهَا، فَاسْمَعْ بَكَاءَ الصَّبِيِّ، فَاتَجُوزْ فِي صَلَاتِي، كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّه»

« میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ اسے لمبا کرنے کا ہوتا ہے، تاہم مجھے بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں اس کی ماں کے لئے تکلیف کا باعث بنوں»۔ (بخاری: 675)

عورتوں کے ساتھ رحم دلی

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کا خیال رکھنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی ہے۔ آپ صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: «من رزق بنت أو أكثر، فتولی تربيتها، وأحسن إليها، كن له سترا من النار»

«جسے ایک یا ایک سے زیادہ بیٹیاں دی گئیں اور اس نے ان کی پرورش کی، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی»۔ (بخاری: 5649)

• بلکہ آپ نے بیوی کے حقوق اور اس کے معاملات اور حالات کا خیال رکھنے کی سختی سے وصیت فرمائی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے کو تلقین کرتے رہیں۔ آپ نے فرمایا: «استوصوا بالنساء خیرا»

«عورتوں کے ساتھ خیر خواہانہ سلوک رکھو»۔ (بخاری: 4890)

● اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ لطف و مہربانی پر مشتمل سلوک کی بہترین مثالیں قائم کیں۔ یہاں تک کہ آپ اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنا ٹیک دیتے اور آپ کی بیوی صفیہ اپنا پاؤں آپ کے گھٹنے پر رکھ دیتیں تاکہ اونٹ پر سوار ہو سکیں۔ (بخاری: 2120)

● جب آپ کی بیٹی فاطمہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے چومتے اور انہیں اس جگہ بٹھاتے جہاں خود بیٹھتے تھے۔ (ابو داؤد: 5217)

کمزوروں پر شفقت

● رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یتیم کی کفالت پر ابھارا اور فرمایا:

«أنا و كافل الیتیم فی الجنة هكذا»

«میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح سے ہوں گے»۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان کے مابین تھوڑا فاصلہ رکھا۔ (بخاری: 4998)

● بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے کو آپ نے اللہ جل جلالہ کے راستے میں جہاد کرنے والے اور اس شخص کی مانند قرار دیا جو دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات کو نماز پڑھتا ہو۔ (بخاری: 5661)

• کمزور لوگوں سے مشفقانہ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو اللہ جل جلالہ کے رسول نے رزق اور دشمنوں کے مقابلے میں مدد ملنے کا سبب قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

«أبغوني الضعفاء؛ فإنما تنصرون وترزقون بضعفائكم»

«کمزور لوگوں کی تلاش میں میری مدد کرو، تم میں سے جو کمزور لوگ ہیں ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے»۔ (ابو داؤد: 2594)



کمزور لوگوں کو قریب کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ کے رسول محمدؐ نے نصرت و رزق کا سبب قرار دیا۔

عدل و انصاف

- اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معاملات میں عدل کرنے والے تھے۔ آپ اللہ جل جلالہ کی شریعت کو لاگو کرتے تھے چاہے اس کا نفاذ اپنے قریب ترین رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا قرآن کے اس حکم کی تعمیل میں کرتے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ [النساء: 135]

«اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو»۔

- جب ایک قبیلے کی ایک سرکردہ عورت نے چوری کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ اس کے حق میں یہ سفارش کرنے آئے کہ اس پر سزا لاگو نہ کی جائے تو آپ نے فرمایا:

«والذي نفس محمد بيده، لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لأقمت عليها العقوبة»

«اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس پر بھی سزا نافذ کرتا»۔ (بخاری: 4053)

- جب اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لئے سود حرام کیا تو آغاز اپنے قریب ترین رشتہ دار یعنی اپنے چچا عباس سے کیا۔ آپ نے فرمایا:

«وأول ربا أضع ربانا، ربا عباس بن عبد المطلب، فإنه موضوع كله»

«اپنے سود میں سے وہ سب سے پہلا سود جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، وہ سب کا سب کالعدم ہے»۔ (مسلم: 1218)

- آپ نے قوموں کی تہذیب و ترقی کا معیار اس بات کو ٹھہرایا کہ ان میں کمزور شخص طاقتور سے بلا کسی خوف و تردد کے اپنا حق لے سکتا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا قدست أمة لا يأخذ الضعيف فيها حقه غير متعتع»
 «نہ پاک ہو وہ قوم جس میں کمزور شخص بنا کسی تردد کے اپنا حق وصول نہ کر سکے»۔ (ابن ماجہ: 2426)

احسان اور کرم

- ایک شخص نے آکر اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال مانگا تو آپ نے فرمایا: «تم جو چاہتے ہو اسے خرید لو، اس کی قیمت کی ادائیگی ہم پر ہو گی»۔ اس پر آپ کے صحابی عمر کہنے لگے: «اے اللہ کے رسول! اللہ جل جلالہ نے آپ کو اس چیز کا مکلف

نہیں کیا جس پر آپ قادر نہیں ہیں»۔ اللہ جل جلالہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناپسند گزری۔ اس پر وہاں موجود ایک شخص نے کہا: «آپ خرچ کریں اور عرش والے سے کمی کی پروا نہ کریں»۔ یہ سن کر آپ مسکرا دیئے اور خوشی کے آثار آپ کے چہرے پر دکھائی دینے لگے۔ (الاحادیث المختارة: 88)

• آپ کی خدمت میں چاندی کے اسی ہزار درہم لائے گئے جن کو آپ نے ایک چٹائی پر رکھ دیا۔ پھر آپ ان کی طرف ہوئے اور سب کو تقسیم کر دیا اور کسی مانگنے والے کو واپس نہیں لوٹایا یہاں تک کہ ان سے فارغ ہو گئے۔ (مستدرک حاکم: 5323)

مصادر میں آتا ہے کہ رسولِ اسلام نے اپنی زندگی میں کبھی مال جمع نہیں کیا تھا۔

آپ کا صبر اور بردباری

• اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے بہت دل گیر ہو کر روانہ ہوئے۔ (طائف ایک پہاڑی شہر ہے جو مکہ سے 90 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے)۔ آپ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے گئے تھے لیکن ان لوگوں نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی اور آپ کی دعوت کا جواب بہت برے

انداز میں دیا۔ جب آپ مکہ واپس آ رہے تھے اور طائف میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے آپ کو نکالا اور اذیت پہنچائی تھی تو اللہ جل جلالہ نے آپ کے طرف یہ پوچھنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا کہ آیا آپ چاہتے ہیں کہ اہل طائف کو ہلاک کر دیا جائے؟ اس پر آپ نے جواب دیا:

« بل أرجو أن يخرج الله من أصلابهم من يعبد الله وحده لا يشرك به شيئاً »

« میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ ان کی نسلوں میں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ جل جلالہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے »۔ (بخاری: 3059)

● اہل مکہ سے متعلق آپ نے جو موقف اختیار کیا وہ اس سے بھی عظیم تر تھا۔ یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے آپ کو اپنے شہر سے بے دخل کیا تھا، ایک لمبے عرصے تک وہ آپ کو اپنی زبان اور تلواروں سے اذیت دیتے رہے تھے اور کئی سالوں سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مار ڈالنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ جب اللہ جل جلالہ کی طرف سے مدد آن پہنچی اور اللہ جل جلالہ نے آپ کو فتح مکہ سے نوازا اور ان سب پر آپ کو غلبہ عطا فرمایا تو آپ نے ان کے مابین کھڑے ہو کر پوچھا:

« ما تقولون أني فاعل بكم؟ »

» تم کیا خیال کرتے ہو کہ آج میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟«۔ انہوں نے جواب دیا: »ہم اچھے سلوک ہی کی امید رکھتے ہیں، آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے میٹے ہیں۔«

اس پر آپ نے فرمایا:

«أقول كما قال أخي يوسف -يعني نبي الله يوسف بن يعقوب الذي عفا عن إخوته الذين آذوه ورموه في البئر- فقال لهم: لا عقوبة اليوم عليكم يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ أَلْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ [يوسف: 92]

اذهبوا فأنتم الطلقاء»

»میں وہی کچھ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف یعنی اللہ جل جلالہ کے نبی یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب انہوں نے اپنے ان بھائیوں کو معاف کیا جنہوں نے ان کو اذیت دی تھی اور کنویں میں بھینک دیا تھا کہ تم پر آج کوئی سزا نہیں۔ اللہ جل جلالہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔«

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ أَلْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾﴾ [يوسف: 92]

»آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ جل جلالہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔«۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو۔ (البیہقی: 18275)

● اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اللہ جل جلالہ کے اس قول کی تعمیل کرتے کہ:

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا لِنَفْسِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ [طہ: 131]

«نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دُنوی زندگی کی اُس شان و شوکت کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے، اور تیرے رب کا دیا ہوا رزقِ حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے»۔

● ایک دن آپ کے صحابی عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ اور چٹائی کے مابین کوئی بستر نہیں ہے اور اس کے نشان آپ کے پہلو پر پڑے ہوئے ہیں۔ عمر کہتے ہیں: میں نے آپ کے گھر میں نظر دوڑائی تو اللہ جل جلالہ کی قسم مجھے کوئی ایسی شے نظر نہ آئی جو اس بات کی مستحق ہو کہ اسے غور سے دیکھا جائے یا پھر وہ توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہو۔ میں نے کہا: اے نبی! اللہ جل جلالہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کی امت پر کشادگی کر دے۔ فارس اور روم کو تو اللہ جل جلالہ نے فراخی دی ہے اور

انہیں خوب دنیا عطا کی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ جل جلالہ کی عبادت نہیں کرتے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوْفِي شَكِّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ، أَوْلَيْتَكَ قَوْمٌ عَجَّلَتْ لَهُمْ طِيْبَاتِهِمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا»

«اے عمر! کیا تمہیں کچھ شک ہے؟، یہ لوگ وہ ہیں جن کو ان کے اچھے اعمال کا بلکہ دنیا کی زندگی میں ہی دے دیا گیا ہے»۔ (بخاری: 2336)

● رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

«مَالِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَكَابٍ اسْتَضَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا»

«میرا اس دنیا سے کیا سروکار، میں تو اس دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے تلے کچھ دیر رکے اور پھر اسے چھوڑ کر روانہ ہو جائے»۔ (سنن ترمذی: 2377)

● ایک، دو اور تین ماہ تک گزر جاتے اور اللہ جل جلالہ کے رسول کے گھروں میں کھانا پکانے کے لئے آگ تک نہ جلتی اور آپ اس دوران صرف کھجور اور پانی پر گزارا کرتے۔ (بخاری: 2428) اور بسا اوقات تو ایسا بھی ہوتا کہ آپ سارا دن بھوکے رہتے اور آپ کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ردی کھجور تک نہ ملتی تھی۔ (مسلم: 2977)

آپ کی وفات تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ آپ تین دن مسلسل گندم کے آٹے کی روٹی کھا کر سیر ہوئے ہوں۔ آپ کی روٹی زیادہ تر جو کے آٹے کی ہوتی تھی۔ (مسلم:

(2976)

وفاء شکاری اور ایفائے عہد

● ایفائے عہد کا شمار بلند اور اعلیٰ اخلاقی صفات میں ہوتا ہے۔ اس کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ محض کسی کی اچھائی کے جواب میں ہو اور دونوں اطراف کے مابین کوئی ایسا معاہدہ نہ ہو جس کی رو سے ایسا کرنا لازم ہو۔ یہ اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ کہ آپ اچھائی کا بدلہ اس سے بھی بڑی اچھائی سے دیا کرتے تھے اگرچہ اس سلسلے میں کوئی عہد و پیمانہ نہ بھی ہوتا۔ پھر اگر اس سلسلے میں کوئی عہد و پیمانہ ہوتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وفائے عہد و پیمانہ کی کیا عظیم صورت ہوتی۔

● جب عیسائیوں کے بادشاہ ہرقل نے کفار قریش سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بارے میں دریافت کیا اور پوچھا کہ: کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں، اس پر اس نے کہا: رسول ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔ (بخاری: 7)

• آپ اپنی پہلی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بہت زیادہ وفا دار تھے، ان کی قدر و منزلت کا پاس رکھتے اور ان کے کردار کے معترف رہتے اور ان کی رشتہ دار خواتین اور سہیلیوں کی عزت کرتے تھے۔

• آپ کی پہلی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا جو دور نبوت کے ابتدائی حصے میں وفات پا گئی تھیں ان کے ساتھ آپ کس قدر وفادار تھے، اس کے بارے میں آپ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ان کا بہت ذکر کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ بھیرڑ ذبح کرتے اور پھر اس کے گوشت کے پارچے بنا انہیں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ہاں بھیج دیتے۔ میں نے ان سے کہا: دنیا میں جیسے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی عورت ہی نہیں تھی۔ اس پر آپ فرماتے:

«إنها كانت وكانت.. ويذكر من مزايها»

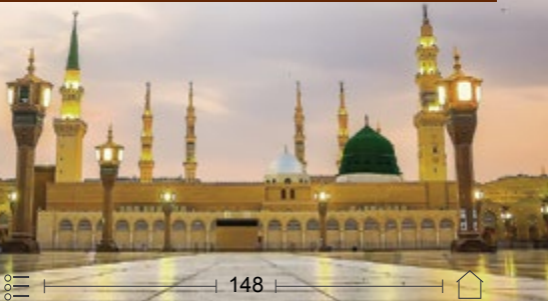
خدیجہ تو خدیجہ ہی تھی، پھر آپ ان کی خصوصیات بیان کرنے لگ جاتے۔ (بخاری: 3607)

• ایک دفعہ اللہ جل جلالہ کے رسول کے ہاں نجاشی کی طرف سے ایک وفد آیا۔ (نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا اور ابتدائے اسلام میں اس نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بذات خود ان کی

خدمت میں لگ گئے۔ آپ کے صحابہ نے آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم ان کی خدمت کو کافی ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

«إنهم كانوا لأصحابي مكرمين، وإني أحب أن أكافئهم»
 «ان لوگوں نے میرے ساتھیوں کا اکرام کیا تھا۔ مجھے یہ پسند ہے کہ میں خود ان کو بدلہ دوں»۔ (شعب الایمان: 8704)

نبی محمد کی مسجد جسے آپ نے مدینہ یا مدینہ منورہ میں تعمیر کرایا جیسا کہ مسلمان اسے یہ نام دیتے ہیں۔ مدینہ اہمیت کے اعتبار سے مکہ کے بعد دوسرا مقدس شہر ہے۔ رسول محمد نے اس شہر کی طرف ہجرت کی اور اس میں اپنی مسجد تعمیر کی اور اسی شہر میں آپ کی تدفین ہوئی۔ سالانہ لاکھوں مسلمان اس مسجد کی زیارت کرتے ہیں۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اقوال



مسلمانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو سن اور لکھ کر آگے منتقل کرنے پر بہت توجہ دی اور حفاظ کرام اور علماء نے آپ کے الفاظ کو محفوظ اور تحریر کرنے کے عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور دنیا کے سامنے احادیث کی تصدیق اور اس بات کو جاننے کا ایک حیرت انگیز نظام پیش کیا کہ کون سی بات آپ سے ثابت ہے اور کون سی ثابت نہیں ہے جس میں جملوں اور کلمات کی دقیق سے دقیق تر تفصیلات اور اس بات کو بھی زیر بحث لایا جاتا ہے کہ کون سے اقوال آپ کے اقوال نہیں ہیں بلکہ اضافہ شدہ ہیں۔

ذیل میں اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر مشتمل کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں:

● « **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ**، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَىٰ »
 « اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی »۔ (بخاری: 1)

● « **الْبِرُّ حَسَنُ الْخَلْقِ**، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ » « نیکی تو اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے ناپسند ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں »۔ (مسلم: 2453)

● « **أَزْهَدُ فِي الدُّنْيَا يَحْبِبُكَ اللَّهُ**، وَأَزْهَدٌ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يَحْبِبُكَ النَّاسُ » « دنیا میں بے رخی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے رخی برتو، لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے »۔ (ابن ماجہ: 4102)

● « **مِثْلِي وَمِثْلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي**، كَمِثْلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا، فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبْنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وَضَعْتَ هَذِهِ اللَّبْنَةَ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبْنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ » « میری اور مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا لیکن ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ

دی۔ لوگ اس کے گرد چکر لگاتے اور اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور کہتے کہ: یہ اینٹ بھی کیوں نہ لگا دی گئی؟ آپ نے فرمایا: (قصر نبوت میں باقی ماندہ) وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین (نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا) ہوں»۔ (بخاری: 3342)

● «المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه» «مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع کیا ہے»۔ (بخاری: 10)

● «اتق الله حيثما كنت، وأتبع السيئة الحسنة تمحها، وخالف الناس بخلق حسن» «تم جہاں بھی ہو، اللہ سے ڈرو، اور برائی کرنے کے بعد اچھائی کرو تاکہ وہ اسے مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ»۔ (سنن ترمذی: 1987)

● «ألا من ظلم غير مسلم، أو كلفه فوق طاقتة، أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس، فأنا حجيجه يوم القيامة» «خبردار جس نے کسی غیر مسلم کو افیت دی یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ کام کا بوجھ ڈالا یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا»۔ (ابوداؤد: 3052)



”

«لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم» «تم تب تک جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور تب تک تم صاحب ایمان نہیں ہو گے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگ جاؤ۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتاؤں جسے اگر تم اپنا لو گے تو باہم محبت کرنے لگ جاؤ گے؟ اپنے مابین سلام کو پھیلاؤ»۔ (مسلم: 54)

- «الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من في الأرض يرحكم من في السماء» «رحم کرنے والوں پر رحمن پر رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو تم پر وہ ذات رحم کرے گی جو آسمان میں ہے»۔ (ابوداؤد: 4941)
- «من نَفَس عن مؤمن كربة من كرب الـ نيا، نَفَس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، ومن يسر على معسر، يسر الله عليه في الـ نيا والآخرة، ومن ستر مسلماً ستره الله في الـ نيا والآخرة، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه، ومن سلك طريقاً يلتمس فيه علماً، سهل الله له به طريقاً إلى الجنة، ومن بطأ به عمله، لم يسرع به نسبه» «جس نے کسی مومن کا دنیا کے دکھوں میں سے کوئی دکھ دور کیا اللہ قیامت کے دن کے دکھوں میں سے ایک دکھ اس سے دور کر دے گا۔ جس نے کسی تنگ دست کے لئے آسانی کی اللہ اس کے لئے دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی ستر پوشی کی اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا۔ اللہ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے، جو شخص علم کی تلاش میں کسی راہ پر گامزن ہوتا ہے، اللہ اس کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ جسے اس کے عمل نے پیچھے کر دیا اسے اس کا نسب آگے نہیں کر سکتا»۔ (مسلم: 2699)



”

« لیس منا من لم یرحم صغیرنا ، ویرف حق
کبیرنا» « جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا اور
بڑے کا حق نہ پہچانا وہ ہم میں سے نہیں ہے»۔ (سنن
ترمذی: 1920)

- «من غشّ فلیس منا» « جو دھوکہ دیتا ہے وہ ہم میں
سے نہیں»۔ (سنن ترمذی: 1315).

● «مثل المؤمنین فی توادھم، وتراحمھم، وتعاطفھم مثل الجسد»؛ إذا اشتكى منه عيو، تـ اعى له سائر الجسد بالسھر والحمى» «مسلمانوں کی باہمی محبت، شفقت اور ہمدردی کی مثال جسم کی مانند ہے کہ اگر اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے»۔ (مسلم: 2586)

● «کلکم راع وکلکم مسؤول، فالإمام راع وهو مسؤول، والرجل راع على أهله وهو مسؤول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسؤولة، ألا فكلکم راع وکلکم مسؤول» «تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ چنانچہ حکمران نگران ہے اور اس سے پوچھا جائے گا، آدمی اپنے اہل خانہ پر نگران ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور عورت اپنے شوہر کے گھر پر نگران ہے اور اس سے پوچھا جائے گا۔ خوب جان لو کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔» (بخاری: 4892)

● «خیرکم خیرکم لأھله، وأنا خیرکم لأھلی» «تم میں سے سب سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں»۔ (سنن ترمذی: 3895)

● «بينا رجل بطريق، اشتدَّ عليه العطشُ، فوجءَ
 بئراً فنزل فيها، فشرب ثم خرج، فإذا كلبٌ يلهثُ،
 يأكلُ الثرى من العطشِ، فقال الرجلُ: لقسَّ بلغ هذا
 الكلبُ من العطشِ مثل الذي كان بلغ مني، فنزل البئرُ
 فملاً خفه ماءً، فسقى الكلبَ، فشكر الله له فغفر له.
 قالوا: يا رسول الله، وإن لنا في البهائم لأجراً؟ فقال:
 في كلِّ ذاتٍ كبدٍ رطبةٍ أجرٌ»

«ایک شخص راتے میں جا رہا تھا کہ اسے شدید پیاس
 لگ گئی۔ اسے ایک کنواں ملا تو وہ اس میں اتر گیا اور
 جب پانی پی کر باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا زبان باہر
 نکالے ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت کی سے تر مٹی
 کھا رہا ہے۔ اس آدمی نے سوچا کہ اس کتے کو بھی ویسے
 ہی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ چنانچہ کنویں میں
 اتر کر اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا اور کتے کو پانی پلا
 دیا۔ اللہ نے اس کے اس کام کی قدر دانی کرتے ہوئے
 اسے بخش دیا۔ اس پر صحابہ کرام نے پوچھا: «اے اللہ
 کے رسول! کیا چوپایوں کے ساتھ حسن سلوک میں بھی
 ہمیں اجر ملتا ہے؟»۔ آپ نے فرمایا: «ہر جاندار کے
 ساتھ حسن سلوک پر اجر ملتا ہے»۔ (بخاری: 2466)

● « آية المنافق ثلاث: إذا حدّث كذب، وإذا أوعده أخلف، وإذا أوّتمن خان » « منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے ہاں کوئی امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ »
(بخاری: 33)

● «من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه» « آدمی کے اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو چھوڑ دے جن کا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ » (سنن ترمذی: 2317)

● «إن الله يحب الرفق في الأمر كله» « اللہ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ » (بخاری: 5678)

● اور فرمایا: «من يحرم الرفق يحرم الخير» « جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی ہی سے محروم رہا۔ » (مسلم: 2592)



قرآن نے اللہ جل جلالہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو کیسے بیان کیا ہے؟

قرآن ہمارے سامنے اللہ جل جلالہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ آپ کے طرز عمل کے ایک عجیب پہلو کو پیش کرتا ہے جس میں بیک وقت آپ کے اخلاق و امتیازی صفات اور بشریت کا پوری طرح سے ظہور ہوتا ہے۔

■ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الأنبياء: 107]

■ آپ اخلاق کے عظیم درجے پر فائز ہیں۔ - ﴿وَإِنَّكَ

لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [القلم: 4]

■ آپ اس بات کی شدید خواہش رکھتے ہیں کہ لوگ ہدایت پا جائیں اور ان کی گمراہی سے آپ کو شدید غم لاحق ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بار بار اس بات پر زور دیا گیا کہ آپ کی ذمہ داری صرف دعوت دینا اور بات کو پہنچا دینا ہے اور یہ کہ جسے چاہتا ہے اللہ جل جلالہ ہی ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔

﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ [ہود: 12]،

﴿پس شاید کہ آپ اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور اس سے آپ کا دل تنگ ہے، صرف ان کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا، سن لیجئے! آپ تو صرف ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے﴾ [ہود: 12]

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ﴾ [الأنعام: 107]،

﴿اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا۔ اور نہ آپ ان پر مختار ہیں!﴾ [الأنعام: 107]

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ [الكهف: 110]

﴿آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے﴾ [الكهف: 110]

■ دوسروں کے لئے آپ عذر تلاش کرتے ہیں اور ان کی غلطیوں سے چشم پوشی فرماتے ہیں۔

﴿عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنَتْ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَا لكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِينَ﴾ [التوبة: 43]

﴿اللہ تجھے معاف فرمادے، تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟ بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے﴾ [التوبة: 43]

■ اپنے دشمنوں کے حق میں بھی آپ دعا فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ انہیں بخش دے یہاں تک کہ آپ کو اس سے منع کر دیا جاتا ہے۔

﴿أَسْتَغْفِرَ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ [التوبة: 80]

﴿ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر۔ اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کرے تو تجھی اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے کفر کیا ایسے فاسق لوگوں کو رب کریم ہدایت نہیں دیتا﴾ [التوبة: 80]

■ آپ پر ہر وہ بات گراں گزرتی ہے جو ایمان والوں کے لئے باعثِ مشقت ہو۔ آپ ان کے ساتھ بہت ہی مہربان اور رحیم ہیں۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [التوبة: 128]

﴿تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں﴾ [التوبة: 128]

■ ایک دفعہ لوگوں کے بہت دیر تک آپ کے گھر بیٹھے رہنے کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی تھی لیکن حیا کی وجہ سے آپ ان کو یہ بتا نہیں پا رہے تھے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَبِزٍ وَلَا تُسَيِّئُوا بِحَدِيثِهَا إِذَا دُعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا وَإِذَا دُعِيتُمْ فَانْشَرُوا وَلَا مُسْتَسِينٍ لِحَدِيثِهَا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زُجُجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۝٥٣﴾ [الأحزاب: 53]

﴿اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو کھانے کے لئے ایسے وقت میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرتے رہو بلکہ جب بلایا جائے جاؤ اور جب کھا چکو نکل کھڑے ہو، وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی کو تمہاری اس بات سے تکلیف ہوتی ہے۔ تو وہ لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (بیان) حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا، جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے کامل پاکیزگی یہی ہے، نہ تمہیں یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ تمہیں یہ حلال ہے

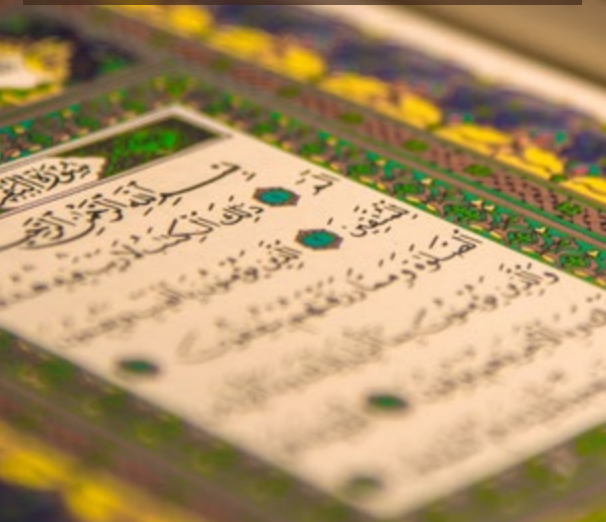
کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ (یاد رکھو) اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا (گناہ) ہے ﴿ [الأحزاب: 53]

■ آپ بہت نرم خو، کشادہ مزاج اور نرم دل ہیں۔ اپنے صحابہ کے ساتھ آپ نرم رویے سے پیش آتے ہیں اور ان سے مشورہ کرتے ہیں، حتیٰ کہ سخت اور مشکل ترین حالات میں بھی ان کی رائے لیتے ہیں۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا أَلْقَبُ لَأَنفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴾ [آل عمران: 159]

﴿ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿ [آل عمران: 159]

قرآن کریم اسلام کا
ابدی معجزہ ہے



قرآن جو دنیا میں سب سے زیادہ بکنے اور تقسیم ہونے والی کتابوں میں عموماً سرفہرست ہوتا ہے اور جس پر ڈیڑھ ارب سے زیادہ مسلمان پر ایمان رکھتے ہیں وہ کیا ہے؟

قرآن مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے جس کے بارے میں ان کا ایمان ہے کہ وہ:

■ اللہ جل جلالہ کا کلام ہے جو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کے لئے بطور ہدایت اور نور نازل کیا گیا۔

■ آسمان سے نازل شدہ کتابوں میں آخری کتاب ہے۔

■ تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہے۔

■ بطور عبادت اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور اسے حفظ کیا جاتا ہے اور مسلمان اس کے احکامات اور قوانین کی تعمیل کی صورت میں اللہ جل جلالہ کی بندگی بجالاتے ہیں۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۴۰ سال کے ہو گئے تو تب اللہ جل جلالہ کے فرشتے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اس کے نزول کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ (اقراً باسم ربك الذي خلق) تھی۔ قرآن 23 سال کی مدت میں حالات و واقعات کے اعتبار سے متفرق طور پر نازل ہوا۔

”
نزول کے اعتبار سے قرآن کی سب سے پہلی آیت (اقراً باسم ربك الذي خلق) تھی۔ قرآن 23 سال کی مدت میں حالات و واقعات کے اعتبار سے متفرق طور پر نازل ہوا۔

قرآن کی 114 سورتیں ہیں جن کے موضوعات اور اسلوب متعدد ہیں۔ لیکن جیسا کہ سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ تمام سورتیں عربی بلاغت و فصاحت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں اور سب کا بنیادی ہدف لوگوں کو راہ ہدایت سے روشناس کرانا اور انہیں صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی عبادت کی طرف بلانا ہے۔

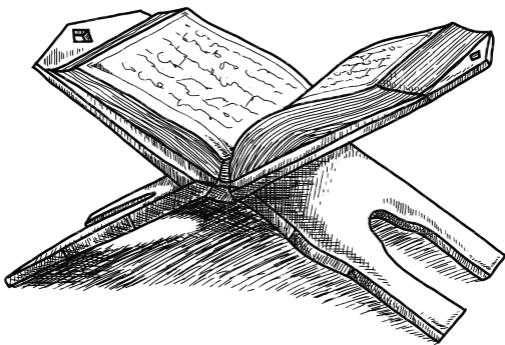
اہم ترین موضوعات جن پر قرآن گفتگو کرتا ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- 1- اللہ جل جلالہ کی وحدانیت کا اثبات اور اس بارے میں مشرکین کے شبہات کا رد۔
- 2- انبیاء علیہم السلام اور گزشتہ امتوں کے واقعات۔
- 3- اس وسیع کائنات میں تامل اور ہمارے گرد موجود مخلوقات اور اللہ جل جلالہ کی ہمارے اوپر کی جانے والی نعمتوں میں غور و فکر کی دعوت۔
- 4- دینی قوانین اور اس کے اوامر و نواہی کی وضاحت۔
- 5- مومنین کی صفات اور ان کے اخلاق کا بیان اور بری صفات سے دور رہنے کی تلقین۔

6- قیامت کے دن کے بارے میں گفتگو اور نیک اور برے لوگوں کی جزاء کا بیان۔

7- نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو جو واقعات پیش آتے ہیں ان پر تبصرہ کر کے مومنین کی تربیت۔

ذیل میں قرآن کے کچھ امتیازی اوصاف اور خصوصیات کو پیش کیا جاتا ہے:





قرآن کی حفاظت کا معجزہ

اللہ جل جلالہ نے اپنی آخری کتاب کو «القرآن» کا نام دیا جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسے پڑھا جائے گا اور سینوں میں محفوظ رکھا جائے گا۔ اور بہت سی آیات میں اللہ جل جلالہ نے اسے «الکتاب» کے نام سے موسوم کیا جو اس کے لکھے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کی حفاظت ان دونوں طریقوں سے ہوئی۔ جب قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی تو اسے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا جاتا اور آپ سے سن کر اسے حفظ کر لیا جاتا تھا۔ قرآن کے حفاظ کی تعداد چاہے جتنی بھی زیادہ ہو ان کی گواہی تب تک مقبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ لکھے ہوئے قرآن کے عین موافق نہ ہو اور نہ ہی لکھی ہوئی عبارت تب تک قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ اس کلام کے مطابق نہ ہو جسے اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کیا گیا تھا۔

عیسائی مذہبی علماء کا یہ کہنا ہے کہ انجیل میں موجود تضادات ایک فطری سی بات ہے اور ان کے واقع ہونے کی توقع بھی تھی کیونکہ اناجیل لکھنے والوں کے سامنے متعدد مصادر تھے، ان کے لکھے جانے کی تاریخیں مختلف ہیں اور اسی طرح ان اناجیل میں موجود بالواسطہ وحی کی نوعیت بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے۔ اگرچہ اپنے تئیں وہ بس اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ان اناجیل میں موجود باتیں انسانیت کے لئے ذریعہ ہدایت ہیں۔

لیکن وہ حقیقت جس کا ہر واقفِ حال اور منصف مزاج شخص اقرار کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن ہر قسم کے تضاد اور تعارض سے بالکل پاک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے اللہ جل جلالہ کا کلام ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کیا گیا اور لکھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن بذریعہ وحی نازل ہوا اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نہ کوئی زیادتی کرتے اور نہ کچھ کمی۔ باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے مسالک اور نقطہ ہائے نظر مختلف ہیں، تاہم قرآن کے ایک لفظ تک میں بھی ان کا اختلاف نہیں۔

پوری تاریخ میں نسل در نسل قرآن کی حفاظت اور نقل کا سلسلہ جاری رہا اس طرح کہ اس کی کتابت، اس کے تلفظ و ادائیگی، اسے یاد کرنے اور مصاحف میں اسے لکھنے میں ضبط و اتقان اور درستگی کے بلند ترین معیار کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ اس میں ایک حرف تک کی کمی نہ ہوئی اور نہ ہی ایک زیر زبر یا پیش تک کا اس میں اضافہ ہوا۔ اور کسی بھی شخص کے لئے ممکن ہے کہ وہ چین کے کسی دور دراز کے علاقے یا پھر وسطی افریقہ سے قرآن کا ایک نسخہ خریدے تاکہ اس کا موازنہ ان قرآنی مخطوطات سے کر سکے جو ایک ہزار سال پہلے لکھے گئے اور جو پوری دنیا کے عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ اس پر یہ حقیقت عیاں ہو کہ وقت کی تبدیلی اور زبانوں میں واقع ہونے والے تنوع کے باوجود قرآن کے حروف و کلمات کے تلفظ کا طریقہ کار اور اس کے قواعد ویسے کے ویسے ہی ہیں جیسے کہ آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے تھے۔ اور ان میں کوئی تغیر یا تبدل نہیں آئی۔ چاہے آپ اسے کسی ایسے بچے سے سنیں جو انڈونیشیا میں اس کی زبانی تلاوت کر رہا ہو یا پھر کسی ایسے مسلمان عالم سے جو مکہ میں ایک ہزار سال پہلے اسے پڑھایا کرتا تھا۔ قرآن میں آیا ہے کہ:

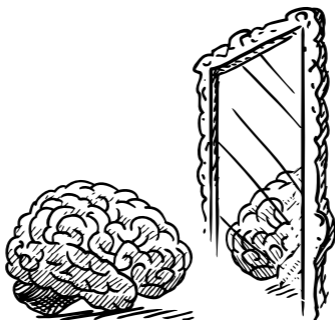
﴿وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾

[النساء: 82]

«اگر یہ قرآن اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے»۔
اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کیوں کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ جل جلالہ نے اٹھائی ہے۔ اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: 9]

«ہم نے ہی کتابِ نصیحت اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں»۔



قرآن کا اعجازِ بیانی اور اعجازِ نفسی

جو شخص قرآن پڑھتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ قرآن اپنے پڑھنے والے کا براہِ راست اور ذاتی طور پر سامنا کرتا ہے اور اس سے بحث و مباحثہ کرنے اور اس کا سامنا کرنے میں تردد محسوس نہیں کرتا۔ اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ اس کی سوچوں کو پہلے ہی بھانپ کر اس کی راہنمائی کر دیتا ہے گویا وہ انسان کے بتانے سے پہلے ہی انہیں پڑھ لیتا ہے۔

اگرچہ فنکار آنکھ کی ایسی تصویر بنا سکتا ہے جو ایسے لگے کہ گویا دیکھنے والے کا تعاقب کر رہی ہو لیکن ایک کتاب پڑھنے والے کے افکار کا تعاقب کس طرح کر سکتی ہے اور ان کا اندازہ کیسے لگا سکتی ہے؟ اور بعض اوقات اس کے سوالات پوچھنے سے پہلے ہی ان کا جواب کیسے دے سکتی ہے؟ خاص طور پر جب کہ پڑھنے والے مختلف لوگ ہوں اور وہ متعدد ثقافتی پس منظر اور حالات زندگی رکھتے ہوں!

قرآن انسانی میلانات کی تشخیص، اس کے اسرار و رموز کے بیان اور اس کی کمزوری کی نشاندہی کا یہ شاندار اسلوب رکھتا ہے جس میں پڑھنے والے کو پہلے پہل کچھ سختی محسوس ہوتی ہے تاہم یہ انداز انسانی نفس کو بیدار کرتا ہے تاکہ اس کے دل و دماغ پر ایک ساتھ ان سوالوں کو پیش کرے جن کو وہ ایک لمبے عرصے تک بہت بڑا سمجھتا رہا اور ان کا جواب دینے سے راہ فرار اختیار کرتا رہا۔

چنانچہ ہم میں سے جب کوئی شخص قرآن پڑھتا ہے اور مختلف گروہوں کے واقعات اور ان کے حالات کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کی سوچ، نفسیات اور اصولوں کے ساتھ کچھ وقت گزارتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کیسے ان میں سے بعض گمراہ رہے اور کچھ نجات پا گئے تو وہ ایک لمحے کے لئے رک کر خود اپنا حساب شروع کر دیتا ہے تاہم تسلسل کے ساتھ ایک کے بعد دوسری آیات، صورتیں اور نمونے سامنے آتے جاتے ہیں جن کا اثر لاشعوری طور پر آہستہ آہستہ دل کے قریب تر ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ قرآن انسانی نفس کا ایک آئینہ بن جاتا ہے جو اس کی اصل حقیقت دکھاتا ہے اور اس کے عیوب، خامیوں، اس کی صلاحیتوں اور اسے حاصل شدہ وسائل کو اس پر ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح سے قرآن پڑھنے والے کی شخصیت میں سرایت کر جاتا ہے تا کہ وہ پورے طور پر اس سے اس بات کا اعتراف اور اقرار کرالے کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جب کبھی اس پر مایوسی اور ناامیدی کا حملہ ہوتا ہے تو وہ یہ پڑھتا ہے:

﴿قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ [الزمر: 53]

» کہیے دو کہ اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ جل جلالہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

جاؤ، یقیناً اللہ جل جلالہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور و رحیم ہے۔»

جب وہ پریشان ہوتا ہے اور اسے شدید اندرونی کشمکش کا سامنا ہوتا ہے اور اسے کسی ایسی ذات کی تلاش ہوتی ہے جس کی طرف وہ رجوع کر سکے اور اس کی پناہ میں آسکے تو اسے اللہ جل جلالہ کے اس قول میں سکون میں ملتا ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾
[البقرة: 186]

«اور اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنا دو، شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔»

جب اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کی زندگی اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے اور زندگی کے حوادث و واقعات کو برداشت کرنے کی اس میں قوت نہیں رہی اور وہ اس کے قابو میں نہیں رہے، تو قرآن میں موجود اللہ جل جلالہ کے اس فرمان میں اسے علاجِ شافی اور سہارا ملتا ہے کہ:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
 آكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
 عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
 مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا
 فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: 286]

«اللہ جل جلالہ کسی تنفس پر اُس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے، اس کا پھل اس کو ملے گا اور جو بدی سمیٹی ہے، اس کا وبال اسی پر ہے۔ (ایمان لانے والو! تم یوں دعا کیا کرو) اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں، ان پر گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال، جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے، وہ ہم پر نہ رکھ، ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر»۔

قرآن کے اثرات اور انصاف پسند لوگوں کے ہاں اسے حاصل شدہ مقام کو انسانی تہذیب کے ایک اہم مورخ ول ڈیورانٹ نے اپنی کتاب «تہذیب کی کہانی» (The Story of Civilization) میں ان الفاظ کے ساتھ تسلیم کیا ہے:

«گزشتہ ہر دور میں اہل علم و فکر کی ایک بڑی تعداد قرآن پر ایمان لائی۔ موجود دور جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس میں بھی مختلف ذہنی اور فکری معیار رکھنے کے باوجود، لوگوں کی اتنی بڑی تعداد اس پر ایمان لائی ہے جن کا شمار ممکن نہیں۔ ایسا صرف اس وجہ سے ہے کہ قرآن ایک سچا اور واضح عقیدہ لے کر آیا ہے جسے سب قبول کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ انتہائی آسان ہے، جس میں دوسرے عقائد کی بنسبت ابہام بہت کم ہے اور یہ رسوم و رواج کی پابندیوں سے دور اور بت پرستی اور مذہبی لوگوں کی اجارہ داری سے آزاد ہے۔ اسلام نے لوگوں کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ وہ زندگی کی مشکلات کا سامنا کریں اور بنا کسی شکایت اور اکتاہٹ کے اس میں پیش آمدہ رکاوٹوں کو برداشت کریں۔ قرآن نے دین کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس کی پوری طرح حد بندی کر دی ہے۔ کسی بھی صحیح العقیدہ عیسائی یا یہودی کو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو اس کو اسے قبول کرنے سے روکتی ہو۔

هَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ ءَامَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتٰبِ
وَالنَّبِيِّنَّ وَءَاتَى اَمْالًا عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَءَاتَى
الزَّكٰوةَ وَءَامُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبٰسَآءِ
وَالضَّرَآءِ وَحِيْنَ الْبَآسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ ﴿ [البقرة: 177]

» نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ جل جلالہ کو اور یومِ آخرت اور ملائکہ کو اور اللہ جل جلالہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ جل جلالہ کی محبت میں اپنا من پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں، اور سبکدوشی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔«

ویل ڈیورنٹ کہتا ہے:

» مختلف ذہنی اور فکری معیار رکھنے کے باوجود، لوگوں کی اتنی بڑی تعداد قرآن پر ایمان لائی ہے جن کا شمار ممکن نہیں۔ ایسا صرف اس وجہ سے ہے کہ قرآن ایک سچا اور واضح عقیدہ لے کر آیا ہے جسے سب قبول کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ انتہائی آسان ہے، جس میں دوسرے عقائد کی بنسبت ابہام بہت کم ہے۔«

قرآن کہاں سے آیا؟

ایک منطقی سوال جو اس وقت فوراً ذہن میں آتا ہے جب مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن کے بارے میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے۔ اس بارے میں مسلمان جو قصہ بیان کرتے ہیں اسے ہم کیونکر قبول کریں؟ کیا ہم اس کے بارے میں سوالات کرنے کا حق نہیں رکھتے؟



تاریخ نگاروں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن ایک ایسے عربی شخص پر نازل ہوا جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ یہ شخص چھٹی صدی عیسوی میں مکہ میں پیدا ہوا اور اس کا نام محمد تھا اور کوئی بھی گواہی تاریخ کی اس متواتر گواہی کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ خود اس کتاب میں پوری وضاحت ہے کہ یہ صاحب کتاب کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ یہ تو ایک عمدہ کلام ہے جو اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس پر نازل ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو صرف اسے آگے پہنچا دینا اور بنا کسی کمی بیشی کے لوگوں کے سامنے اسے واضح کر کے پیش کرنا ہے۔

چنانچہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رسولِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی طرف سے گھڑا ہو یا پھر اس میں جو کچھ مذکور ہے اسے کسی اور سے سیکھا ہو اور بعد ازاں نئے انداز میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہو؟

اگر تو اپنی باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کر کے رسولِ اسلام محمد لوگوں پر اپنا اثر و رسوخ پیدا قائم کرنا چاہتے تھے تو پھر انہوں نے یہ دعویٰ کیوں نہ کر دیا کہ ان کی سب باتیں اللہ کی طرف سے ہیں؟

اپنی جگہ یہ سب جائز سوالات ہیں جو اس وقت براہ راست ذہن میں در آتے ہیں جب کہ ان کا پوچھنے والا قرآن سے واقف اور اس کا مطالعہ کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے واقعات سے آگاہ ہو۔

جو بات ہم جانتے ہیں اور تاریخی تحقیقات بھی اسے ثابت کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ بہت سے ادباء اور مفکرین دوسروں کے چھوڑے ہوئے ادبی آثار پر دھاوا بول کر انہیں چرا لیا کرتے تھے اور پھر انہیں اپنی طرف منسوب کر لیتے تھے۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ آخر کوئی شخص خود اپنے عقلی ثمرات کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کیونکر کرے گا؟

یہاں جو سوال اٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر تو قرآن کو اللہ جل جلالہ کی طرف منسوب کر کے محمد لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا قائم کرنا چاہتے تھے تو پھر انہوں نے یہ دعویٰ کیوں نہ کر دیا کہ ان کی سب باتیں اللہ جل جلالہ کی طرف سے ہیں؟

کیا عقل یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ انہوں نے خود اس کتاب کو تالیف کیا ہو اور گھڑا ہو اور پھر اللہ جل جلالہ کی طرف اس کی نسبت کر دی ہو تا کہ اس طرح سے وہ اپنا اثر و رسوخ قائم کر سکیں اور اپنی قدر و منزلت میں اضافہ کر سکیں جب کہ اسی کتاب میں بہت سے ایسے مقامات بھی ہوں جہاں گفتگو کرنے والی ذات، محمد کو براہ راست شدید انداز میں سرزنش کر رہی ہو، آپ کی راہنمائی کر رہی ہو اور آپ کی غلطیوں کی تصحیح کر رہی ہو؟

جس شخص نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی بھی خصوصی یا عمومی دائرہ اس سرزنش سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اللہ جل جلالہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاندانی معاملات میں سرزنش اور نصیحت کی اور اسی طرح بطور قائد آپ کے کچھ فیصلوں حتیٰ کہ لوگوں کو دعوت دینے کے طریقے تک میں خطا کی نشاندہی کی۔

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک نابینا شخص آپ کے پاس آیا جب کہ آپ سرداران قریش میں سے ایک سردار کو اسلام کی دعوت دے رہے

تھے اس امید کے ساتھ کہ شاید وہ ایمان لے آئے۔ نابینا شخص کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف ہیں چنانچہ وہ آپ کو پکار کر کہنے لگا: «مجھے بھی وہ باتیں سکھائیں جو اللہ جل جلالہ نے آپ کو سکھائی ہیں»۔ اس نے یہ بات اصرار کے ساتھ بار بار کہی۔ اس پر آپ نے کچھ ناگواری کا اظہار کیا اور چاہا کہ اگر نابینا شخص کچھ دیر انتظار کر لے تو بہتر ہے یہاں تک کہ آپ اپنی دعوت سے فارغ ہو جائیں۔ بہر حال آپ نے اس نابینا شخص سے اعراض برتا اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ قرآن نے اس لمحے کو روک کر تاریخ کا ایک حصہ بنا دیا اور بڑے دقیق اور تفصیلی انداز میں اسے پیش کیا اور بیان کیا کہ کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا شخص کے سامنے تیوری چڑھائی اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ قرآن نے بس اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے بعد اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزنش بھی کی اور بڑے واضح اور قوی انداز میں یہ راہنمائی بھی فرمائی کہ دوبارہ ایسے نہ کریں۔ ان سب امور کا ذکر قرآن کی ایک ایسی سورہ میں ہوا ہے جس کے نام ہی سے اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے

﴿عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ۱ اَنْ جَاءَهُ ۲ الْاَعْمَىٰ ۳ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ۴ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ ۵ الذِّكْرَىٰ ۶ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ۷ فَاَنْتَ لَهُ ۸ تَصَدَّىٰ ۹ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكَّىٰ ۱۰ وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۱۱ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۱۲ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۱۳﴾ [عبس: 1-10] -

﴿وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا۔﴾ (صرف اس لئے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔ یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔ جو بے پرواہی کرتا ہے۔ اس کی طرف تو تو پوری توجہ کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے۔ اور وہ ڈر (بھی) رہا ہے تو اس سے بے۔ رخی برتا ہے ﴿[عبس: 1-10]۔

اس کے بعد جب بھی یہ نابینا صحابی آپ کی خدمت میں آتے تو آپ یہ کہہ کر ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے کہ: «خوش آمدید اس شخص کو جس کے معاملے میں میرے رب نے میری سرزنش کی»۔

قرآن نے اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی اور سرزنش کے متعدد ایسے واقعات بیان کئے ہیں اور ہم میں سے ہر شاید شخص ہی کو یہ ناپسند ہو کہ سب کے سامنے اس طرح کی کوئی بات اس کے بارے میں کہی جائے۔ اگر کوئی شخص مقام و مرتبے اور عزت و شرف کا طالب ہو تو کیا وہ اپنی غلطیوں کو اس طرح سے نشر کرے گا اور اس انداز میں انہیں تاریخ کا حصہ بنائے گا؟

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ آپ پر بہت سے ایسے کڑے لمحات گزرے جن میں آپ کی تمنا تھی کہ وحی نازل ہو اور آپ کی سچائی اور مقام و مرتبے کی گواہی دے اور آپ کی اور آپ کے اہل خانہ کی براءت کا اعلان کرے لیکن پھر بھی وحی نہیں آتی تھی۔

مثلاً آپ کی قوم میں سے جو لوگ آپ کے دشمن تھے اور وہ آپ کو اذیت دیتے رہتے تھے انہوں نے گزشتہ قوموں کے کچھ علماء اور اہل کتاب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائی میں مدد طلب کی۔

اس پر انہوں نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ آپ سے تین سوالات پوچھیں۔ اگر تو آپ نے ان کا جواب دے دیا تو اس کا مطلب ہو گا کہ آپ سچے نبی ہیں اور جواب نہ دے سکے تو پھر وہ نبی نہیں ہیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ سے یہ سوالات پوچھ لئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چیلنج کے انداز میں کہا کہ: میں تمہیں کل جواب دوں گا۔

بعد ازاں کئی دن تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہ آئی اور اس کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس دوران آپ کے مخالفین جب آپ کے پاس سے گزرتے تو جواب نہ دے سکنے پر آپ کا مذاق اڑاتے۔ اس کی وجہ سے آپ شدید غم زدہ ہو گئے۔ ان سوالات کے جواب میں آپ پر وحی پندرہ دن بعد نازل ہوئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ راہنمائی بھی تھی کہ یہ بات کہ «میں یہ کام کل کروں گا» یقینی انداز میں تب تک نہ کہیں جب تک اسے اللہ جل جلالہ کی مشیت کے ساتھ مربوط نہ کر دیں یہ کہتے ہوئے کہ ان شاء اللہ۔ اور اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ آپ کو جواب دینے میں تاخیر

اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس بات ہی کی تعلیم دینے کے لئے تھی۔

﴿إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَآذُكَرُ رَبِّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنِّي رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَذَا رَشْدًا﴾ [الكهف: 24]

﴿مگر ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ لینا۔ اور جب بھی بھولے، اپنے پروردگار کی یاد کر لیا کرنا اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کے قریب کی بات کی رہبری کرے﴾ [الكهف: 24]

قرآن نے اللہ کے رسول کی راہنمائی اور سرزنش کے متعدد ایسے واقعات بیان کئے ہیں اور ہم میں سے شاید ہر شخص ہی کو یہ ناپسند ہو کہ سب کے سامنے اس طرح کی کوئی بات اس کے بارے میں کہی جائے۔

بار بار لگائے جانے والے الزامات

عجیب بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ حیات کو آپ کی سچائی کی واضح ترین دلیل کے طور پر لیا سکتا ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو امی ہو یعنی لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، ایسے لوگوں کے مابین وہ رہتا ہو

جو سب ان پڑھ ہوں، ان کے معمولات زندگی میں وہ شریک ہوتا ہو اور بنا کسی برے کام میں حصہ لینے انہی کی مجلسوں میں بیٹھتا ہو یاں طور کہ اپنے آپ اور اپنے اہل خانہ کے لئے حصولِ رزق میں مصروف رہتا ہو، مزدوری پر بکریاں چراتا ہو یا پھر اجرت لے کر تجارت کرتا ہو اور علماء کے ساتھ بھی اس کا کوئی تعلق واسطہ نہ ہو، انہی کاموں میں وہ اپنی زندگی کا اکثر حصہ یعنی پورے چالیس سال گزار دیتا ہو اور پھر ایک دم سے وہ ان سے ایسی باتیں کرنے لگ جائے جو انہوں نے پہلے کبھی اس سے نہیں سنی تھیں اور نہ ہی اپنے آبا و اجداد ہی سے انہیں سنا تھا۔ وہ انہیں پہلے گزر جانے والی قوموں کے واقعات سنائے، ابتدائے خلق کی تاریخ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی تفصیل ان کے سامنے رکھے اور تمام گوشہ ہائے زندگی سے متعلق دقیق ترین قانونی احکامات ان کے سامنے بیان کرنے لگ جائے۔

اس حقیقت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو بہت سخت جھٹکا لگا اور جو پیغام آپ کر آئے تھے اس کی کیفیت کے بیان میں وہ اضطراب کا شکار ہو گئے۔ ایسے میں لوگوں کو آپ سے دور رکھنے کے لئے وہ کون سا الزام ہو سکتا ہے جسے رواج دیا جا سکتا تھا؟

یہ دعویٰ کرنا تو مشکل ہے کہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ ہے کیونکہ جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس میں غور و فکر کیا اس کے عقل تو یہ تسلیم نہیں کرتی۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ اس نے اسے کسی اور سے سیکھا ہو کیونکہ وہ تو ہمارے ساتھ رہتا ہے اور ہم اس کی زندگی کی تفصیلات کو جانتے ہیں۔ حاصل یہ کہ ان لوگوں نے آپ پر متضاد قسم کے الزامات لگائے۔ کبھی تو کہتے کہ آپ نے اس قرآن کو گزشتہ قوموں سے لیا ہے، کبھی کہتے کہ آپ نے اپنی طرف سے یہ سب کچھ جھوٹ گھڑا ہے، اور کبھی کہتے کہ آپ حالت نیند میں جو خواب دیکھتے ہیں انہی کو بیان کر دیتے ہیں۔ جب یہ لوگ ان باتوں کو ثابت نہ کر سکے تو پھر کہنے لگے کہ آپ جادوگر یا شاعر یا پھر شاید پاگل ہیں!



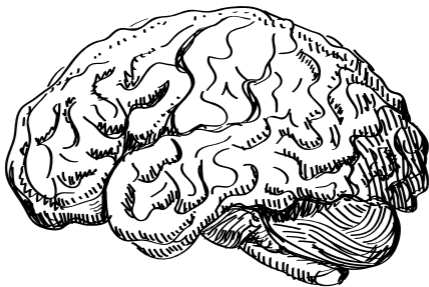
بس نام ہی مختلف ہیں قصہ تو وہی پرانا ہی ہے۔ کیا آپ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر بھی جادوگر ہونے کا الزام نہیں لگا تھا؟ کیا عیسیٰ علیہ السلام کو پاگل قرار نہیں دیا گیا تھا؟

سابقہ تمام انبیاء کے ساتھ بھی اسی طرح سے ہوا کہ جب ان کے دشمنوں کو الزام لگانے کو کوئی بات نہ ملی تو انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ وہ جادوگر یا پھر پاگل ہیں۔ جھوٹے گواہ کا ہمیشہ یہی حال ہوتا ہے کہ جب اسے محسوس ہوتا ہے کہ معاملہ بگڑتا جا رہا ہے اور اس کی دلیل وزن کھو رہی ہے تو پھر وہ ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور ہر قسم کا بہتان لگا دیتا ہے کہ شاید کسی طرح اس کی بات بن جائے لیکن اس کی یہ خواہش کب پوری ہوتی ہے!

سابقہ تمام انبیاء کے ساتھ بھی اسی طرح سے ہوا کہ جب ان کے دشمنوں کو الزام لگانے کو کوئی بات نہ ملی تو انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ وہ جادوگر یا پھر پاگل ہیں۔

ہم یہ کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ آپ صرف ایک عبقری شخصیت تھے

سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے انسانی عقل میں ایسی طاقت اور تخلیقی صلاحیت رکھی ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے۔ لیکن کیا یہ ایک فطری سی بات نہیں لگتی کہ نتائج اخذ کرنے اور استنباط کرنے میں عقل کی کچھ حدود ہوں۔ اگرچہ عقل اس رب کے وجود کی گواہی دیتی ہے جو خالق و قادر ہے اور اس رب کا عدل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایک دوسری زندگی ہو جس میں ہر ایک کو اس کی اچھی یا بری جزاء ملے لیکن کیا عقل ان تفصیلات اور ان دقیق امور کو بھی ثابت کر سکتی ہے جن کے بارے میں نہ کوئی دلائل میسر ہیں اور نہ کچھ شواہد؟



جو شخص قرآن کا مطالعہ کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ قرآن ہمارے لئے ایمان مفصل کی حدود واضح کرتا ہے اور اس بات کی دقیق انداز میں تفصیل بیان کرتا ہے کہ مخلوق کی ابتداء کیسے ہوئی اور اس کی انتہاء کیسے ہوگی۔ اسی طرح وہ جنت اور اس کی نعمتوں، جہنم اور اس کے عذاب کا حال، جہنم کے دروازوں اور اس پر متعین فرشتوں کی تعداد بھی بیان کرتا ہے اور کائنات اور انسان کی حقیقت سے متعلق تفصیلی قضیہ جات کو پیش کرتا ہے۔ ان تمام تفصیلات کی بنیاد کس عقلی نظریے پر قائم ہے؟

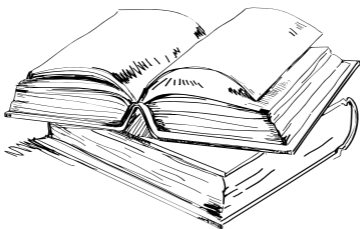
یہ سب کچھ ذہانت اور عبقریت کا نتیجہ تو نہیں ہے۔ چنانچہ یہ تمام تفصیلات یا تو جھوٹ ہیں یا پھر محض اٹکل یا پھر یہ سب باتیں حق ہیں جو کسی ذات کے سکھانے اور بتانے سے معلوم ہوئی ہیں۔

جدید سائنس نے قرآن کے بیان کردہ بعض حقائق کو ثابت کر دیا ہے اور اس کی بیان کردہ معلومات میں کوئی بھی شے ایسی نہیں جو جدید سائنس سے متناقض ہو اور اسی طرح یہ سابقہ آسمانی کتابوں میں آنے والے غیبی امور سے متعلق خبروں سے بھی موافقت رکھتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کتابوں کو نئے انداز میں ڈھال کر پیش کر دیا ہو

آئیں ذرا لمحہ بھر رک کر غور کریں کہ کیا اس بات کا ہلکا سا بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان معلومات کو سابقہ انبیاء کی کتابوں سے لیا ہو؟

اگر ہم اس حقیقت سے صرف نظر کر لیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور یہ کہ ان کی قوم کے اکثر افراد ان پڑھ تھے اور علوم سے ان کا کچھ بھی واسطہ نہیں تھا اور یہ کہ آپ سابقہ کتابوں کے ماننے والوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں رہے تھے سوائے اس ملاقات کے جو بچپن میں کچھ لمحات کے لئے آپ کے رشتہ داروں کی موجودگی میں ہوئی تھی اور تاریخی طور پر یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ اس دور میں سابقہ کتابوں کے علماء علم کو چھپایا کرتے اور اس پر اپنی اجارہ داری قائم کر کے رکھتے تھے تاکہ اپنی قدر و منزلت پائی رکھ سکیں چنانچہ علم ہر کسی کے لئے دستیاب اور میسر نہیں تھا۔



اگر ہم ان تمام باتوں سے صرف نظر کر لیں تو جو حقیقت کسی بھی متلاشی حق کے سامنے واضح ہو کر آکھڑی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے اس وقت موجود آسمانی کتابوں کی تمام باتوں سے اتفاق نہیں کیا تھا بلکہ قرآن نے آکر تو ان بہت سی غلط باتوں کی تصحیح کی جسے بعض دینی علماء نے بدل دیا تھا اور بعض واقعات میں جو کمی تھی اسے پورا کیا۔ جس علم کو وہ چھپایا کرتے تھے اسے بیان کیا اور عقائد اور طرز سلوک میں موجود ان گمراہیوں کو واضح کیا جو علماء دین نے انبیاء کے لائے ہوئے دین کے ساتھ چسپاں کر دی تھیں حالانکہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ قرآن ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے۔ ان تمام حقائق کی موجودگی میں بھی کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کے شاگرد تھے اور ان سے معلومات لیا کرتے تھے؟!

ایک فیصلہ کن تاریخی حقیقت

ایک منصف مزاج متلاشی حق شخص اس بات میں طویل غور و فکر کرتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عربی شخص نہیں تھے؟

کیا تاریخ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب قوم کے لوگوں کے پاس اس وقت سوائے فصاحت و بلاغت کے کوئی اور ایسا فن نہیں تھا جس پر وہ فخر کر سکتے؟

اور یہ کہ جس فن میں وہ مہارت رکھتے تھے وہ صرف شعر اور ادب تھے جس کے لئے وہ اجتماعات، مجالس اور محفلیں منعقد کرتے اور ایک قصیدہ کسی قبیلے کی شان بڑھا دیتا یا گھٹا دیتا تھا؟!

تاریخ و ادب کی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں ان میں سے جو نہی کوئی شخص کوئی شعر یا نثر پیش کرتا تو سب اس کے درپے ہو جاتے اور اس میں موجود کمی کو مکمل اور جو بات اس میں رہ گئی ہوتی اسے پورا کر کے چھوڑتے اور اسی کے انداز میں اسے جواب دیتے۔ یہی ان کی مقابلہ بازی اور قوت و امتیازی پن کے اظہار کا میدان تھا۔

چنانچہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کا سب سے بڑا دشمن جس سے لڑائی کرنے، اسے شکست دینے اور اس سے لوگوں کو دور رکھنے میں وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے وہ آ کر انہیں چیلنج کرے کہ وہ اس قرآن کی طرح کا قرآن یا اس کے ایک کسی چھوٹے سے حصے کی طرح کا کوئی کلام لا کر دکھائیں لیکن پھر بھی وہ اس چیلنج کا سامنا صرف چپ سادھ کر اور مقابلے سے راہ فرار اختیار کر کے کریں!

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے ڈر نہیں لگتا تھا کہ آپ کے اس چیلنج سے یہ لوگ اپنی خاص مہارت اور علم کے معاملے میں بھڑک اٹھیں گے اور آپ کو لاجواب کرنے اور لوگوں کے سامنے آپ کے لائے ہوئے قرآن کا

باطل پن ثابت کرنے کے لئے انفرادی یا اجتماعی طور پر آپ کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

فرض کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کی جرات اس لئے کی کہ آپ اپنی قوم کی صلاحیتوں سے واقف تھے۔ لیکن آپ قیامت کے دن تک آنے والی نسلوں کے بارے میں یہ بات پورے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس طرح کا قرآن پیش نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کے کسی جزء کی طرح کا ہی کوئی کلام لا سکتے ہیں اگرچہ سب اس کے لئے اکٹھے ہی کیوں نہ ہو جائیں؟

یہ واقعی بڑی ہمت کی بات ہے جسے صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل اپنی کہی گئی بات پر اعتماد اور یقین سے بھرپور ہو۔ چنانچہ اسی طرح ہی ہوا کہ نہ تو قریش کو اور نہ ہی بڑے بڑے فصیح و بلیغ لوگوں میں سے کسی کو قرآن کی طرح کا کوئی کلام یا اس کے کچھ اجزاء تالیف کرنے کی جرات ہو سکی۔ یہ ایک حقیقت ہے جو اس زمانے سے آج تک جوں کی توں چلی آرہی ہے اور تاریخ میں جس کسی نے بھی ایسا کرنے کی کوشش کی یا پھر ایسا کرنے کا سوچا وہ رسوا کن ناکامی سے دوچار ہوا اور اپنی ہی قوم میں مذاق بن کر رہ گیا اور ایسا کرنا اس کے لئے ادبی میدان میں تضحیک و توہین کا سبب بن گیا۔



سورہ فاتحہ

یہ قرآن کی سب سے عظیم سورت ہے اور مسلمان اپنی نماز میں اسے بار بار پڑھتا ہے۔ اختصار کے ساتھ اس کا مفہوم درج ذیل ہے:



سورہ فاتحہ کا مفہوم



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں ادب اور تعظیم کے ساتھ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جو ایسی رحمت سے متصف ہے جو ہر شے کو محیط ہے۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

میں محبت و تعظیم کے ساتھ اللہ کی تمام صفات و افعال اور اس کی عطا کردہ ظاہری و باطنی نعمتوں کی پر اس کی ثناء بیان کرتا ہوں۔ مخلوقات کے تمام جہانوں کا وہی خالق و مالک اور متصرف و منعم ہے۔

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

وہ رحمت کے تمام معانی اور صورتوں کو سے متصف ہے۔ وہ عمومی رحمت جو اس جہان میں ہر شے کو محیط ہے وہ بھی اسی کی ہے اور وہ خاص رحمت جو اس کے موتمن بندوں کو ملتی ہے وہ بھی اسی کی طرف سے ہے۔

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾

وہ جزاء و حساب کے دن کا مالک و متصرف ہے۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

اے ہمارے رب! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور عبادت کی کسی بھی نوع میں ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، ہم اپنے تمام امور میں صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، سب امور تیرے ہاتھ میں ہیں اور کسی کو ان میں ذرہ برابر بھی اختیار حاصل نہیں۔

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾

اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا، اس کی طرف ہماری راہنمائی کر اور اس پر چلنے کی ہمیں توفیق دے اور ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ یہاں تک کہ ہم تجھ سے آملیں۔

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾

ان لوگوں کا راستہ جن کو تو نے ہدایت و استقامت دے کر ان پر اپنا انعام کیا یعنی نبیوں اور صالحین کا راستہ جنہوں نے حق کو جان کر اس کی اتباع کی۔

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾

ہمیں ان لوگوں کی راہ سے دور رکھ اور اس سے نجات دے جن پر تو نے اپنا غضب کیا اور جن سے تو ناراض ہوا کیونکہ ان لوگوں نے حق کو جان کر بھی اس کی پیروی نہ کی اور اسی طرح ان لوگوں کے راستے سے بھی ہمیں دور رکھ جنہوں نے اپنی جہالت اور تلاشِ حق میں کوتاہی کی بنا پر حق کو کھو دیا۔

﴿آمین﴾

اے اللہ! تو ہماری دعا کو قبول فرما۔





آخری فیصلہ

اس سب کے بعد بس آخری بات یہ باقی رہ جاتی ہے کہ قرآن کو پڑھنے اور اس میں غور و فکر کے ہمارے ذاتی تجربے کی روشنی میں اس کے بارے میں ہمارا فیصلہ کیا ہوتا ہے اور ہم اس کے بارے میں کیا موقف اختیار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں کوشش کرنی چاہئے کہ اگر قرآن کا مطالعہ کرنے والے کی زبان عربی نہ ہو تو وہ اپنی زبان میں اس کے کسی موزوں ترجمے کا انتخاب کرے۔

قرآن کا بیان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل وہ نتائج ہیں جن تک ہمارے دل اور دماغ قرآن پڑھنے اور اس کے معانی میں غور و تدبر کے بعد پہنچتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے:


﴿أَوْ لَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ [العنكبوت: 51]

» اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جانی ہے؟ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔«

چنانچہ اللہ جل جلالہ نے سب کو دعوت دی کہ وہ قرآن کا مطالعہ اور اس میں غور و تدبر کریں اور فرمایا کہ ایسا کرنے سے صرف وہی شخص گریز کرتا ہے جس کے دل و دماغ پر قفل لگا دیئے گئے ہوں۔

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُرْعَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ [محمد: 24]

﴿کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔﴾ [محمد: 24]



اسلام میں عبادات
کی حقیقت؟

کیا

کیا اللہ جل جلالہ ہماری عبادت کا محتاج ہے؟
اللہ جل جلالہ کو نہ تو ہماری عبادت کی ضرورت ہے
اور نہ اعمال کی۔ اسلام میں نجات اور چھٹکارا صرف
رسوم و رواج، کچھ ظاہری امور اور مالی نذرانوں سے
نہیں ملتا بلکہ اس بنیاد پر ملتا ہے کہ کوئی شخص اللہ
جل جلالہ کے ساتھ لگاؤ اور اس پر ایمان میں
کس حد تک سچا ہے اور ضروری ہے کہ اس کے
آثار عملی زندگی میں نظر آئیں بایں طور کہ اس کی
ذات اور طرز عمل میں بہتری واقع ہو اور وہ انسانی
معاشرے کی خدمت اور اس کی بہتری کے لئے کو
شال رہے۔



اللہ جل جلالہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ 56 مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ
مَنْ رَزَقِي وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونِ 57 إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو
الْقُوَّةِ الْمَتِينُ 58﴾ [الذاريات: 56-58]

» میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ رزاق تو اللہ جل جلالہ ہے، بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔«

جب کچھ لوگوں کو اشکال ہوا اور انہوں نے سوال کیا کہ نماز میں قبلے کی صحیح سمت کیا ہے کیونکہ اسلام میں نماز مکہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جاتی ہے۔ اس سوال کے جواب میں انہیں یہ بتایا گیا کہ دین کی حقیقت ایمان و دلی میلان کی سچائی، نیک عمل کرنے اور انسانیت کے لئے نفع بخش کام کرنے میں پنہاں ہے نہ کہ مشرق یا مغرب کی سمت منہ کر لینے میں۔ اللہ جل جلالہ نے ان سے فرمایا:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ ءَامَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ وَءَاتَى أَمْالًا عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَءَاتَى الزَّكَاةَ وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ [البقرة: 177]

« نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخرت اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں » -

قرآن ایک دفعہ پھر ہمیں دو ٹوک انداز میں بتاتا ہے کہ جو شخص عبادت اور دین داری میں محنت کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا خود اس کے اپنے فائدے اور نجات کے لئے ہے اور جو کفر کرتا ہے وہ خود ہی خسارہ پانے والا ہوتا ہے۔ باقی رہی اللہ جل جلالہ کی ذات تو وہ ہم سے بے نیاز ہے۔ جیسا کہ اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ [العنکبوت: 6]

« اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے۔ بے شک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے » -



جب کچھ لوگوں کو اشکال ہوا اور انہوں نے سوال کیا کہ نماز میں قبلے کی صحیح سمت کیا ہے؟ تو انہیں یہ بتایا گیا کہ دین کی حقیقت ایمان و دلی میلان کی سچائی، نیک عمل کرنے اور انسانیت کے لئے نفع بخش کام کرنے میں پنہاں ہے نہ کہ مشرق یا مغرب کی سمت منہ کر لینے میں۔

اسلام کے ارکان

ارکان اسلام سے مراد وہ اہم ترین عبادات ہیں جن کو بجالانے کا اسلام میں حکم دیا گیا ہے۔ ارکان اسلام درج ذیل ہیں:

1

اس بات پر ایمان لانا اور اقرار کرنا کہ عبودیت خالصتہ اللہ جل جلالہ کے لئے ہوگی اور اس کے رسول محمد کی اتباع کی جائے گی بایں طور کہ آپ گواہی دیں کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں: (دیکھیں صفحہ: 66)

2



فرض نمازیں قائم کرنا (دیکھیں صفحہ: 217)

3



مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دینا (دیکھیں صفحہ: 226)

4

ماہ رمضان کے روزے رکھنا (دیکھیں صفحہ: 233)

5

ان لوگوں کا بیت اللہ کا حج کرنا جو مالی اور بدنی طور پر ایسا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔ (دیکھیں صفحہ: 237)



انسان کو مکلف کیوں بنایا گیا اور آزمائش کیوں کی جاتی ہے؟

اگرچہ مختلف انداز میں ہی کیوں نہ ہو تاہم یہ سوال بار بار دہرایا جاتا ہے۔ چنانچہ سوال ہوتا ہے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ایک طرف تو اللہ جل جلالہ ہمارے منہ، دانتوں اور پیٹ کو تخلیق کرتا ہے تا کہ ہم کھا سکیں اور دوسری طرف ہمیں روزہ رکھنے کو کہتا ہے؟ اسی طرح ہمارے لئے خوبصورتی اور شہوت کو بھی پیدا کرتا ہے اور پھر حکم دیتا ہے کہ اپنی نظروں کو پست رکھو اور پاکدامن رہو۔ کوئی تو

یہاں تک کہنے کی جرات کر لیتا ہے کہ کیوں اللہ جل جلالہ ہمیں طاقت بھی دیتا ہے اور پھر ہمیں دوسروں پر ظلم و زیادتی کرنے سے منع بھی کرتا ہے؟

درحقیقت اسلامی نقطہ نظر کی رو سے یہ ایک بہت واضح بات ہے۔ اللہ جل جلالہ نے ہمیں یہ صلاحیتیں اور قوتیں دی ہیں تاکہ ہم انہیں استعمال کریں نہ کہ یہ ہمیں استعمال کریں۔ اللہ جل جلالہ آپ کو گھوڑا اس لئے دیتا ہے کہ آپ اس پر سواری کریں اور اسے چلائیں نہ کہ اس لئے کہ گھوڑا آپ پر سوار ہو اور آپ کو چلائے۔ ہمارے جسم اور ہمیں حاصل شدہ طاقتیں ہمارے گھوڑے ہیں جن کو ہمارے لئے تخلیق کیا گیا ہے تاکہ ہم ان پر سوار ہو کر انہیں چلائیں، انہیں لگام دے کر رکھیں اور انہیں درست وقت، درست جگہ اور درست انداز میں استعمال کریں نہ کہ اس کا الٹ کرنا شروع ہو جائیں۔

چنانچہ انسان کی قدر و منزلت اور اس کی برتری اسی وجہ سے ہے کہ اس میں شہوت کو قابو رکھنے اور خواہشات و ہوائے نفس کو صحیح سمت چلانے اور حاصل شدہ ان قوتوں کو نفع بخش امور میں استعمال کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اسی بنا پر اللہ جل جلالہ نے انسان کو امتیازی شان دی اور اس کے لئے یہ جائے امتحان تیار کی اور یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے اس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔

جیسا کہ قرآن میں ہے کہ:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا
بَصِيرًا 2 إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا 3﴾
[الإنسان: 2-3]

«ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا»۔

انسان پر جو بھی مصائب اور مشکلات آتی ہیں وہ سب ایک اضافی امتحان ہوتی ہیں تاکہ ہم اپنے روحانی، اخلاقی اور ایمانی صورت حال کو بہتر بنا سکیں اور پھر سے یہ یاد کریں کہ اس زندگی میں ہمارا مقصد و مقام کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ وَالْأَمْوَالِ وَالنَّمْرِ وَالصَّبْرِ 155 الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ
مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رُجْعُونَ 156﴾ [البقرة: 155-156]

«اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں ان لوگوں کو خوشخبری دے دو جو صبر کرتے ہیں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہتے ہیں کہ: ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے»۔

اس طرح سے یہ دنیوی زندگی ہمارے سامنے ایک ایسا میدان ہے جس میں ہم ایمانی اور اخلاقی طور پر آگے بھی بڑھ سکتے ہیں اور پیچھے بھی ہٹ سکتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ ہمیں راہ راست پر آنے اور صحیح احوال کے مواقع بار بار دیتا ہے لیکن وہ ہمیں ایسا کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اس نے اختیار کا دروازہ ہمارے سامنے کھلا چھوڑا ہوا ہے اور ہماری راہنمائی کی ہے کہ ہم دنیا کو آباد کریں، انسانیت کے لئے نفع بخش بنیں اور اپنی غلطیوں اور آراء سے استفادہ کریں اس طرح سے کہ جب بھی ہم سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جائے تو فوراً پلٹ آئیں اور اس سے توبہ کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لو لم تذبوا لذهب الله بكم، ولجاء بقوم يذنبون، فيستغفرون الله فيغفر لهم»

«اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ جل جلالہ تمہیں اٹھالے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگ لے کر آئے گا جو گناہ کر کے اللہ جل جلالہ سے مغفرت طلب کریں گے اور وہ ان کی مغفرت کرے گا»۔ (مسلم: 2749)

انسان کی قدر و منزلت اور اس کی برتری اسی وجہ سے ہے کہ اس میں شہوت کو قابو رکھنے اور خواہشات و ہوائے نفس کو صحیح سمت چلانے اور حاصل شدہ ان قوتوں کو نفع بخش امور میں استعمال کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔



نماز

ہو سکتا ہے کہ جب آپ نے براہ راست یا ذرائع
ابلاغ پر وہ عجیب منظر دیکھا ہو کہ ایک یا ایک سے زیادہ
مسلمانوں ایک خاص سمت کی طرف رخ کئے قیام، رکوع
اور سجدہ کرنا شروع ہو گئے ہیں گویا کہ وہ اپنے اردگرد کی
دنیا سے کٹ گئے ہوں تو آپ نے یہ سوال کیا ہو کہ یہ
سب کچھ کیا ہے؟

مسلمانوں کی نماز کیا ہے؟

اسلام میں نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ اللہ جل جلالہ کے قرب، اس سے دعا اور اس کے سامنے عجز و انکساری کے اظہار کا اہم ترین ذریعہ ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ [العلق: 19]

«اور سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو»۔

اس لئے نماز کو شہادتین کے اقرار کے بعد ارکان اسلام میں سے دوسرا رکن سمجھا جاتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامَ الصَّلَاةِ..»

«اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور -- --»۔ (البخاری: 8)

جیسا کہ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ نمازی کو اسی قدر اجر ملتا ہے جس قدر وہ اپنے دل کو صاف، ارادے کو پختہ اور خیالات کو یکسو رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور جس قدر خلوص سے

اللہ جل جلالہ کے حضور اس کا اظہار فروتنی اور اس سے قرب کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے دل کو چین و سکون ملتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ جل جلالہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نماز سب سے بڑی لذت تھی۔

اسی لئے تو قرآن ہمیں یہ ہدایت کرتا ہے کہ ہم نماز کی صرف ادائیگی کی بجائے اسے قائم کریں۔ کیونکہ جب نماز حقیقی طور پر قائم کی جاتی ہے تو اس میں عقل و دل اور روح کے ساتھ ساتھ تمام اعضاءِ جسم بھی شریک ہوتے ہیں اور یہ کہ جب ہم ایسا کریں گے تو نماز ہمارے لئے اچھے کام کرنے اور جرائم اور ہلاکت خیز افعال سے دور ہونے میں بہت مددگار ہوگی۔ اللہ جل جلالہ کا ذکر کرنا اور اس کی پناہ میں آنا ہی سب سے بڑا عمل ہے۔

اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے:

﴿أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾

[العنکبوت: 45]

«(اے محمد! یہ) کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو اور نماز کے پابند رہو۔ کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے۔»

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ نماز صرف ایک قسم کی جسمانی ورزش ہے جس سے پہلے غسل اور کچھ صفائی ستھرائی کی جاتی ہے تو اس سے یہ حقیقت او جھل رہ جاتی ہے کہ وہ نماز میں جن حرکات کو دیکھتا ہے وہ محض اللہ جل جلالہ کی بڑائی کے بیان اور دلوں میں موجود اس کی عظمت کے اظہار کے کچھ افعال و اقوال ہیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے نمازی جو پہلا لفظ بولتا ہے وہ «اللہ اکبر» ہے۔ پھر اللہ جل جلالہ کی عظمت کے پورے شعور کے ساتھ رکوع کرتا ہے اور اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے: «سبحان ربی العظیم»، پھر اللہ جل جلالہ کے قرب اور اپنی دعا کی قبولیت کا خواستگار ہوتے ہوئے اللہ جل جلالہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے اور اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھتے ہوئے کہتا ہے: «سبحان ربی الاعلیٰ»۔ اور اللہ جل جلالہ سے دعا کرتا ہے اور اس سے مانگتا ہے۔ نماز کے تمام افعال اسی طرح ہیں کہ وہ محض کچھ حرکات اور بولے جانے والے الفاظ ہی نہیں بلکہ یہ بہت قیمتی لمحات ہوتے ہیں جن میں مومن کا تعلق اپنے رب اور اپنے خالق کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے وجود کی بقاء اور سعادت کا طلب گار ہوتا ہے۔

” اللہ کے نبی محمدؐ کے لئے نماز سب سے بڑی لذت تھی۔

اللہ جل جلالہ نے مسلمانوں پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں جن کو کسی بھی جگہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ جل جلالہ نے مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ انہیں مساجد میں ادا کریں تاکہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق اور مضبوط روابط قائم ہوں اور دین و دنیا کے امور میں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

اسی طرح اسلام نے اس بات پر بھی ابھارا ہے کہ مسلمان فرصت کے اوقات میں نوافل ادا کرنے کی بھی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے۔ (نوافل سے مراد وہ نمازیں ہیں جو فرض نہ ہوں)۔

مسلمان اپنی نمازیں خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک مکعب شکل کی عمارت ہے جسے سب سے پہلے جزیرہ نمائے عرب کے مغرب میں واقع مکہ میں ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا جو ابوالانبیاء کے لقب سے موصوف ہیں۔ مسلمان یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ خانہ کعبہ کچھ پتھروں کا مجموعہ ہے جو نہ تو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کچھ نفع۔ بس اللہ جل جلالہ نے نماز میں اس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ سارے مسلمانوں یک سو ہو جائیں۔

”
نماز اللہ کی بڑائی کے بیان اور دلوں میں موجود
اس کی عظمت کے اظہار کے لئے کچھ افعال و اقوال
ہیں۔



اذان

وہ پکار جو مسلمانوں کو اس بات پر متنبہ کرتی ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور انہیں مسجد کی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے اسے اذان کہا جاتا ہے۔



اذان اللہ جل جلالہ کے ذکر اور اس کی عظمت کے بیان کا ایک طریقہ ہے اور اس کے ذریعے مسلمانوں کو نماز پر آنے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

1. اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر.

2. أشهدُ أن لا إله إلا الله، أشهدُ أن لا إله إلا الله.

3. أشهدُ أن محمداً رسول الله، أشهدُ أن محمداً رسول الله.
اللہ.

4. حي على الصلاة، حي على الصلاة.

5. حي على الفلاح، حي على الفلاح.
الفلاح.

6. اللہ اکبر، اللہ اکبر.

7. لا إله إلا الله.





مسجد حرام مسلمانوں کے نزدیک سب سے عظیم ترین مسجد ہے۔ اسی میں خانہ کعبہ ہے جسے نبی ابراہیمؑ نے تعمیر کیا۔ یہ ایک مکعب عمارت ہے۔ قرآن میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ نماز کی ادائیگی کے لئے اس کی طرف منہ کریں چاہے وہ دنیا کی کسی بھی جگہ ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھیں کہ خانہ کعبہ نہ تو کچھ ضرر دے سکتا ہے اور نہ نفع۔



زکوٰۃ

اس بات کو سب مانتے ہیں کہ حد سے زیادہ امیری اور انتہائی درجہ کی غربت کی دوہری مشکل حل کرنا بہت ضروری ہے اور یہ کہ امیروں اور غریبوں کے مابین جتنا زیادہ فرق ہو گا اتنا ہی معاشرہ انحطاط، برائوں، جرائم اور انتشار کا شکار ہو گا۔ مختلف اقتصادی نظاموں، فکری فلسفوں اور قانونی مجموعوں نے اس کے علاج کے متعدد حل پیش کئے ہیں۔ آئیں دیکھتے ہیں کہ اسلام اس مشکل سے کس طرح نمٹتا ہے؟

اللہ جل جلالہ نے مال دار مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ ہر سال اپنے ذاتی ضرورت کے سامان سے زیادہ اموال سے 5% حصہ نکالیں تاکہ اسے ضرورت مند فقراء اور مساکین وغیرہ پر خرچ کیا جاسکے۔ اللہ جل جلالہ نے اسے ارکان اسلام میں سے تیسرا رکن قرار دیا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں امیر شخص کا غریب پر کوئی احسان نہیں بلکہ یہ فقیر کا حق ہے جسے امیر کے اموال سے لیا جاتا جو ضرورت مند تک مانگے بنا اور اس کا وقار مجروح ہوئے بغیر پہنچ جاتا ہے۔

مال کی اس تھوڑی سی مقدار کا خرچ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے جب کہ زیادہ کی کوئی حد نہیں اور اس کا میدان لوگوں کے لئے کھلا ہے تاکہ وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اس خرچ کرنے کا پھل انہیں اپنی زندگی میں تندرستی، مال، کامیابی اور سعادت کی شکل میں ملتا ہے اور آخرت میں کئی گنا اجر و ثواب اور انعام کی صورت میں ملے گا۔

جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ جو لوگ اللہ جل جلالہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال گندم کے ایک دانے کی سی ہے جسے جب بویا گیا تو اس سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی میں سو دانے تھے اور یوں ایک دانہ سات سو گنا تک بڑھ گیا۔ تاہم خرچ کرنے والے کو اللہ جل جلالہ اس کے صدق دل اور خلوص نیت کے اعتبار

سے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔ اللہ جل جلالہ بہت وسیع کرم والا اور معاملات کی حقیقت سے خوب آشنا ہے۔

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَسِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرة: 261]

«جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جل جلالہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔ وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔»

قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ضرورت مند پر مال خرچ کرنے سے نفس کو طہارت اور پاکیزگی ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ جل جلالہ اپنے رسول کو مخاطب ہو کر کہتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ [التوبة: 103]

«اے نبی! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر اس کے ذریعے انہیں صاف اور پاک کر دو۔»

قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جو شخص اپنے مال میں کنجوسی برتا ہے اور اسے خرچ نہیں کرتا اور فقراء و مساکین کی مدد نہیں کرتا وہ خسارہ پانے میں والوں میں پہلے نمبر پر ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو دنیا اور آخرت کی سعادت سے محروم رکھتا ہے۔

قرآن میں آیا ہے کہ:

﴿هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ تُدْعُونَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ
مَنْ يَبْخُلُ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَنِ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ
وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا
أَمْثَلَكُمْ﴾ [محمد: 38]

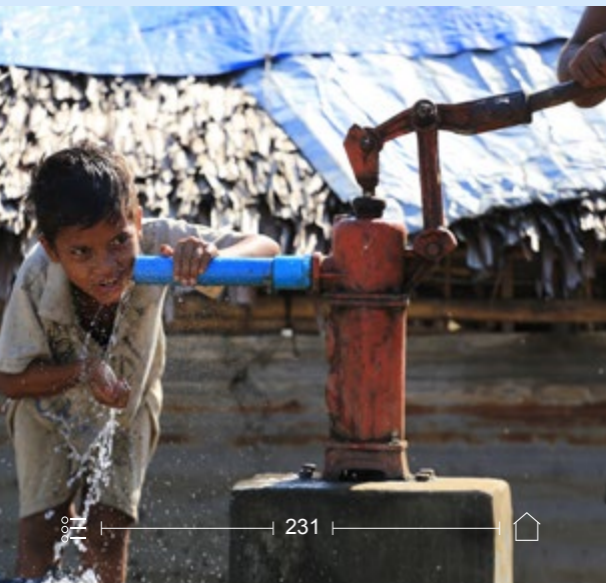
«دیکھو، تم لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی
راہ میں مال خرچ کرو۔ اس پر تم میں سے کچھ لوگ ہیں
جو بخل کر رہے ہیں، حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ درحقیقت
اپنے آپ ہی سے بخل کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ تو غنی ہے، تم
ہی اس کے محتاج ہو اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ
کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے»۔

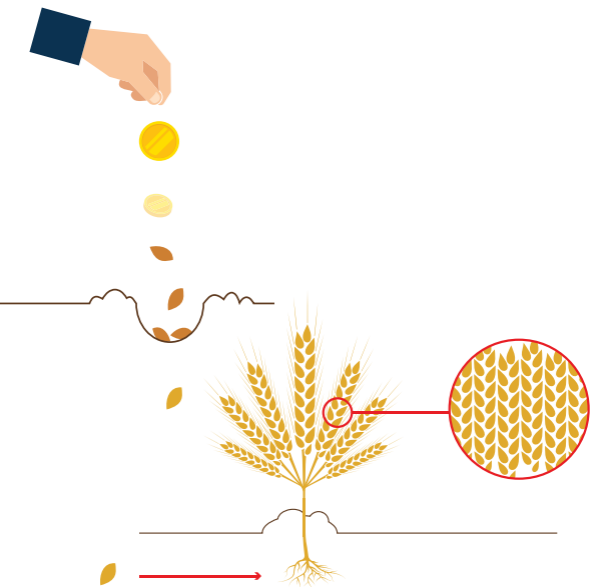


ارکان اسلام میں سے اس عظیم رکن کی تطبیق سے معاشرتی تحفظ کے تصور کا عملی ظہور ہوتا ہے اور معاشرے کے مختلف طبقات کے مابین توازن پیدا ہوتا ہے۔ حق داروں کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے دولت کا ارتکاز معاشرے کے چند خاص گروہوں میں نہیں ہو پاتا۔ اس لئے مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ میں ایسا کئی بار ہوا کہ زکوٰۃ اور امدادی اشیاء کو لے کر ضرورت مندوں کی تلاش میں شہر شہر گھوما جاتا لیکن کوئی حاجت مند نہ ملتا تھا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی سے باہمی تعلق اور الفت کو بھی فروغ ملتا ہے کیونکہ انسانی نفس فطری طور پر اس شخص کو پسند کرتا ہے جو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس طرح سے مسلمان معاشرے کے افراد باہم دگر محبت کرنے لگتے ہیں اور سیسہ پلائی دیوار کی مانند ایک دوسرے سے جڑ کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے تقویت کا باعث بنتے ہیں اور چوری، لوٹ مار اور خوردبرد کے واقعات کم ہو جاتے ہیں۔

”
زکوٰۃ کی ادائیگی میں امیر شخص کا غریب پر کوئی
احسان نہیں بلکہ یہ فقیر کا حق ہے جسے امیر کے
اموال سے لیا جاتا ہے اور جو ضرورت مند تک
مانگے بنا اور اس کا وقار مجروح ہوئے بغیر پہنچ
جاتا ہے۔





”
 جو لوگ اللہ کی رضا جوئی کی خاطر اپنے اموال خرچ کرتے ہیں انہیں قرآن گندم کے اس دانے سے تشبیہ دیتا ہے جسے جب بویا گیا تو اس سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی میں سو دانے تھے اور یوں ایک دانہ سات سو گنا تک بڑھ گیا۔



روزہ

ہم سب اس شخص کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں جو اپنے آپ پر قابو رکھتا ہو اور اپنی صحت کی حفاظت، اپنے وزن میں کمی یا پھر ڈاکٹر کی ہدایات کی تعمیل میں ہر قسم کے کھانے یا اس کی کچھ اقسام سے پرہیز کر سکتا ہو۔ ہمارے نزدیک یہ ایک کامیابی ہے کہ آدمی کو ایک بڑے اور اہم مقصد کے خاطر اپنی شہوات پر قابو حاصل ہو۔

مسلمان اپنے نفس کی تربیت، اپنی ذات اور شہوات کو قابو رکھنے اور اس احکم الحاکمین ذات کے حکم کی تعمیل میں روزہ رکھ کر اس سے بھی بڑا کام کرتا ہے۔

نبی اسلام نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ روزے رکھنے کے بعد بھی جس شخص کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے اخلاق بہتر ہوتے ہیں وہ اپنے روزوں سے کچھ فائدہ نہیں پاتا۔

روزہ ارکان اسلام میں سے چوتھا رکن ہے۔ جو شخص بھی طاقت رکھتا ہو اسلام اس پر فرض کرتا ہے کہ وہ روزہ رکھے اور ان تمام اشیاء سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یعنی کھانا پینا اور اپنی بیوی سے جماع کرنا۔ روزہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک ہوتا ہے اور یہ ماہ رمضان میں ہر دن رکھا جاتا ہے۔ ماہ رمضان اسلامی قمری کیلنڈر کا نواں مہینہ ہے۔

قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ روزے گزشتہ امتوں پر بھی فرض کیئے گئے تھے اگرچہ بعض اوقات ان کا طریقہ کار مختلف ہوا کرتا تھا تاہم مقصد ایک ہی ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں آیا یعنی اللہ جل جلالہ کی بندگی بجالانا اور اس کا تقویٰ اختیار کرنا۔

اللہ جل جلالہ قرآن میں فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: 183]

«اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی قوموں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو»۔

جب مسلمان چند مخصوص دنوں میں روزانہ اپنی جائز شہوات پر غلبہ پا لیتا ہے تو اس طرح سے وہ اپنے نفس کا مالک بن جاتا ہے اور اس میں اسے قابو رکھنے اور زندگی کے دیگر حالات میں حرام شہوات میں پڑنے سے روکنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ روزے رکھنے کے بعد بھی جس شخص کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے اخلاق بہتر ہوتے ہیں تو اس نے گویا اپنے روزوں سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ آپ کا فرمان ہے:

«من لم یدع قول الزور والعمل به، فلیس لله حاجة فی أن یدع طعامه وشرابه»

«جو شخص جھوٹی بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ جل جلالہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے»۔ (بخاری: 1804)

روزہ دار کی بھوک اور پیاس اسے غریب اور بھوک کے ستائے ہوئے ان لوگوں کی مدد پر ابھارتی ہے جن کو باوجود کوشش کے کھانے پینے کی اشیاء دستیاب نہیں ہوتیں کیونکہ اسے بذات خود ان کی مصیبت کا کچھ تجربہ ہو جاتا ہے۔

”

اسلام مسلمان پر روزہ فرض کر کے اسے غریبوں کی
بھوک اور ان کی خوراک کی ضرورت کی یاد دلاتا ہے۔

حج

اکثر مذاہب میں کسی نہ کسی مذہبی سفر کا وجود ضرور پایا جاتا ہے جس میں لوگ اپنے خالق کے سامنے اظہار بندگی کرتے ہیں اور اس سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔ تاہم ان میں سب سے مشہور اور تعداد کے لحاظ سے سب سے بڑا اسلام کا سفر حج ہے جس میں اس مقدس فریضے کی ادائیگی کے لئے اس چھوٹے سے علاقے میں تیس لاکھ سے زائد لوگ جمع ہوتے ہیں۔

اسلامی حج کیا ہے؟

حج ارکان اسلام میں سے پانچواں رکن ہے۔ یہ ہر اس شخص پر صرف ایک دفعہ کرنا فرض ہے جو مالی اور جسمانی طور پر اس کی قدرت رکھتا ہو۔

یہ ایک عظیم سفر ہے جس میں طبقاتی، گروہی، قومی، نسلی، لباس اور مال دولت کے تمام فرق ختم ہو جاتے ہیں۔ سب لوگ ایک ہی رنگ کے اور ایک ہی طرح کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں اور اور ایک ہی پکار لگا رہے ہوتے ہیں جس سے انسان اور لباس کے رب کے باہمی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ «لبیک اللهم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والمملک لا شریک لک»۔ یعنی اے رب! ہم بار بار حاضر ہیں۔ اے اللہ جل جلالہ! ہم اپنی زبانوں سے یہ کہتے ہوئے اور اپنے دلوں سے یہ اقرار

کرتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں کہ صرف اور صرف تو ہی مستحق عبادت ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں، تو ہی کامل حمد و ثناء کا سزاوار ہے، تو ہی خالق و منعم اور بادشاہ ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

چنانچہ حج ایک ایمانی سفر کا نام ہے جس میں مسلمان کے احوال و افعال اور اقوال میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور ان سب سے مقصود اللہ جل جلالہ کا ذکر اور اس کا تقویٰ اور اللہ جل جلالہ سے مغفرت و ثواب کی طلب میں اس کے سامنے اپنی ضرورت مندی کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إنما جعل الطواف بالبيت والسعي في الحج لإقامة ذكر

الله»

«حج میں بیت اللہ جل جلالہ کا طواف اور سعی اس لئے رکھا گیا تا کہ اللہ جل جلالہ کا ذکر ہو»۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 15334)

عازم مکہ کا لباس جب وہ اپنا معمول کا لباس اتار
کر اس مقصد کے لئے کپڑے کے دو ٹکڑے
پہن لیتا ہے کہ اللہ کے سامنے اظہار فروتنی کر
سکے اور ان لوگوں سے اس کی یکسانیت پیدا ہو
جائے جو ارادہ حج سے آئے ہیں۔



اسلام ميں خاندانی نظام





اس دور میں بہت سے خاندانوں پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہیں جن کے پاس ایک ہی گھر کی متعدد چابیاں ہوں!

افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگ اپنی بیوی اور اولاد کی ذمہ داری اٹھانے سے بھاگتے ہیں۔ اس ذمہ داری کو اٹھائے بغیر اپنی لذات سے لطف اندوز ہونے سے انہیں کون سی شے روکے گی؟

اگرچہ یہ رجحان واضح طور پر تو اسی زمانے میں ابھر کر سامنے آیا ہے تاہم ابتدائے تاریخ ہی سے یہ خیال کچھ لوگوں کو ورغلاتا رہا ہے۔ یہ دراصل انفرادی مصلحت اور شدید خود غرضی پر مبنی ایک سادہ سا رجحان ہے قطع نظر اس سے کہ فرد اور معاشرے پر اس کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

اسی لئے اسلام نے آکر اپنی تمام تر توجہ خاندان، اس کے نظام، اس کے حقوق اور اپنے افراد کے سلسلے میں اس پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں پر مرکوز کر دی کیونکہ اسلام میں گھر اور خاندان ہی تعلیم و آگہی اور تربیت کا مرکز ہے اور اس کی تعمیر و ترقی، بہتری اور اس کے مقصد کو پورا کرنے میں ہی معاشرے کی بہتری ہے۔

اسلام میں خاندان کو دی جانے والی خصوصی توجہ کا اظہار بے شمار احکامات میں ہوتا ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں:



اسلام نے شادی اور خاندان کی تشکیل پر زور دیا۔

- اسلام نے شادی اور خاندان کی تشکیل کو بہت بڑا عمل اور انبیاء علیہم السلام کی سنت قرار دیا۔ جب رسول کریم کے بعض صحابہ نے چاہا کہ وہ یکسو ہو کر صرف عبادت میں لگ جائیں اور ہمہ وقت نماز و روزہ ہی میں مشغول رہیں اور شادی کو چھوڑ دیں تو آپ نے ان کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

«لكني أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمَنْ رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»

«میں تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ میں سے نہیں ہے»۔ (بخاری: 4776)

● قرآن جب بنی آدم پر کئے جانے والے احسانات و انعامات کا ذکر کرتا ہے اور اللہ جل جلالہ کی نشانیاں بیان کرتا ہے تو ان میں سب سے پہلے اس سکون و مودت اور رحمت و انسیت کا ذکر کرتا ہے جسے اللہ جل جلالہ نے میاں بیوی کے مابین پیدا فرمایا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ
يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الروم: 21]

» اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔«

● اسلام میں شادی کو آسان بنانے کا حکم ہے اور جو شخص نکاح کا ارادہ رکھتا ہے اس کی مدد کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثلاثة حق على الله عونهم والناكح الذي يريد العفاف»

» تین بندوں کی مدد کرنا اللہ جل جلالہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ان میں سے ایک وہ جو اپنے آپ کو پاکدامن رکھنے کے لئے نکاح کرنا چاہتا ہے۔« - (ترمذی: 1655)

● اسلام نے نوجوانوں کو اپنی جوانی کے آغاز ہی میں شادی کا حکم دیا کیونکہ اس میں ان کے لئے سکون و اطمینان ہے اور یہی ان کی جنسی شہوت و خواہش کا شرعی حل ہے۔

قرآن جب بنی آدم پر کئے جانے والے احسانات و انعامات کا ذکر کرتا ہے اور اللہ کی نشانیاں بیان کرتا ہے تو ان میں سب سے پہلے اس سکون و مودت اور رحمت و انسیت کا ذکر کرتا ہے جسے اللہ نے میاں بیوی کے مابین پیدا فرمایا ہے۔

2



اسلام نے خاندان کے ہر فرد کو پورا احترام دیا ہے
چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

اسلام نے ماں باپ پر اپنے بچوں کی تربیت کی بہت بڑی
ذمہ داری عائد کی ہے۔ اللہ جل جلالہ کے رسول کا فرمان
ہے:

«کلکم راع، وکلکم مسؤول عن رعیتہ، الإمام راع
ومسؤول عن رعیتہ، والرجل راع فی أهله وهو مسؤول
عن رعیتہ، والمرأة راعیة فی بیت زوجها ومسؤولة عن
رعیتها، والخادم راع فی مال سیدہ ومسؤول عن رعیتہ»

«تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس
کے زیر نگرانی لوگوں کے بارے میں سوال ہو گا۔ حکمران
نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں
پوچھا جائے گا، آدمی اپنے اہل خانہ پر نگران ہے اور اس
سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور عورت اپنے
شوہر کے گھر پر نگران ہے اور اس سے اس کے بارے
میں سوال کیا جائے گا اور نوکر اپنے مالک کے مال پر نگران
ہے اور اس سے اس کی زیر نگرانی شے کے بارے میں
پوچھا جائے گا۔» (بخاری: 853)

3



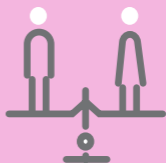
اسلام نے والدین کی عزت و احترام اور تاوقتِ مرگ ان کی دیکھ بھال کرنے اور ان کی اطاعت گزاری پر زور دیا ہے:

بیٹا یا بیٹی جتنے بھی بڑے ہو جائیں ان پر یہ بات فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کا احترام کریں اور ان کے ساتھ اچھے انداز میں پیش آئیں۔ اللہ جل جلالہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی عبادت کے ساتھ متصلاً ذکر کیا ہے اور قولی یا عملی طور پر ان کے سامنے حدود سے تجاوز کرنے سے منع کیا ہے چاہے کوئی لفظ یا آواز نکال کر ہی ایسا کیوں نہ کیا جائے جو ان سے تنگ آنے پر دلالت کرتا ہو۔ اللہ جل جلالہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبُلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٌ وَلَا تَنْهَرَهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ [الإسراء: 23]

«تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو»۔

4



اسلام نے بچوں اور بچیوں کے حقوق کی پاسداری کا حکم دیا ہے اور ان پر خرچ کرنے میں ان کے مابین انصاف ملحوظ رکھنے کو واجب قرار دیا ہے۔

اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ»

انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ (عمل) کافی ہے کہ جن کے رزق و اخراجات کا یہ ذمہ دار ہو، انہیں ضائع کر دے۔ (یعنی ان کے نان و نفقہ میں کوتاہی کرے)۔ (ابو داؤد: 1692) اور خاص طور پر بیٹیوں کا خیال رکھنے اور ان پر خرچ کرنے کے بارے میں فرمایا:

«مَنْ يَلِي مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ

سِتْرًا مِنَ النَّارِ»

«جو شخص بیٹیاں دے کر آزما یا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی»۔ (بخاری: 5649)

5



صلہ رحمی کرنا مسلمان پر فرض ہے:

اس کا معنی یہ ہے کہ والدین کی طرف سے انسان کے جو رشتہ دار ہوتے ہیں وہ ان سے تعلق قائم رکھے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہے۔ اسلام نے اس عمل کو عظیم ترین نیکیوں میں شمار کیا ہے اور رشتہ داروں سے قطع رحمی کرنے اور ان سے بدسلوکی روا رکھنے سے منع کیا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں گردانا ہے۔ اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ»

«قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا»۔

(مسلم: 2556)



اسلام نے قولی یا عملی طور پر والدین کے سامنے حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا ہے چاہے ایسا کسی ایسے لفظ یا آواز نکال کر ہی کیوں نہ کیا جائے جو ان سے تنگ آنے پر دلالت کرتا ہو۔

اسلام میں عورت کا مقام



ٹیلی ویژن اور سڑکوں پر لگے بورڈز یا رسالوں کے بیرونی صفحات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہمیں اس جرم کا احساس ہوتا ہے جس کا ارتکاب اس مادی تہذیب نے عورت کے حق میں کیا ہے جو اسے بس ایک گڑیا یا سامان تجارت یا پھر خواہش و شہوت اور خیالات بھڑکانے کا ایک پر لطف ذریعہ سمجھتی ہے۔



شاید یہ ابتدائی انسانی معاشروں ہی کا ایک دوسرا لیکن ظاہر کے اعتبار سے کچھ کم مکروہ چہرہ ہے جن میں عورت کی توہین کی جاتی اور اسے خرید و فروخت کا ایک سامان سمجھا جاتا تھا۔

عورت جو ہمیشہ سے ہی اس ظلم و ستم کو سہتی آئی ہے جب بھی اس نے اپنی طویل جدوجہد کے دوران اس وحشت ناک دروازے سے نکلنے کی کوشش کی وہ گھوم گھما کر پھر اسی جگہ آ پہنچی تاہم ایسے دروازے سے جو ذرا کم بد صورت اور بھدا تھا۔

1400 سو سال پہلے جب اسلام آیا تو اس نے ان جابرانہ رویوں کے خلاف ایک حقیقی انقلاب برپا کیا جن کی وجہ سے عورت لمبے عرصے تک ظلم و تشدد کا نشانہ بنتی آ رہی تھی اور ایسے قوانین وضع کئے اور تفصیلی احکام پیش کئے جو اس کے حقوق اور قدر و منزلت کے ضامن ہیں اور ان کی بدولت عورت عزت و احترام کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے اور کامل انداز میں اپنے مقصدِ زندگی پورا کر سکتی ہے۔

اسی لئے قرآن کی بڑی سورتوں میں سے ایک سورت کا نام سورہ نساء (عورتوں کی سورہ) ہے۔ اللہ جل جلالہ نے قرآن میں متعدد صالح عورتوں کے واقعات بیان کئے ہیں بلکہ ایک سورہ کا نام تو عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام پر سورہ مریم رکھا گیا ہے۔

اسلام نے آ کر عورت سے متعلق نقطہ نظر ہی بدل دیا اور زور دیا کہ اسے انسان سمجھا جائے جیسا کہ اس کے رب نے اسے تخلیق کیا نہ کہ سامان تجارت، اور اسے پوری زندگی کا ساتھی سمجھا جائے نہ کہ صرف ایک رات کا، اور اس سے مودت و شفقت بھرا سلوک رکھا جائے نہ کہ صرف شہوت و لذت اور لطف اندوزی کا۔

عورت کے احترام سے متعلق احکامات کی کچھ مثالیں

● اسلام نے عورت کو اپنا شریکِ حیات چننے کی آزادی دی اور بچوں کی پرورش کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اس پر ڈالا۔ اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ جل جلالہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«والمراة راعية في بيت زوجها ومسؤولة عن رعيتها»

«عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے اور اس سے اس کے زیر نگرانی افراد کے بارے پوچھا جائے گا»۔
(بخاری: 853)

● اسلام نے عورت کا نام اور اپنے باپ کی طرف اس کی نسبت کو باقی رہا چنانچہ شادی کے بعد اس کی نسبت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے والد اور خاندان کی طرف ہی منسوب رہتی ہے۔

● اسلام نے بہت سے معاملات میں مرد و عورت کے مابین مساوات قائم کی جن میں مالی معاملات بھی شامل ہیں۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «النساء شقائق الرجال» «عورتیں مردوں ہی کی طرح ہیں»۔
(ابو داؤد: 236)

● اسلام نے مرد پر فرض کیا کہ وہ عورت کا خیال رکھے اور اگر وہ کوئی ایسی عورت ہو جس پر خرچ کرنا اس پر واجب ہے مثلاً اس کی بیوی یا ماں یا بیٹی تو بنا احسان جتلائے اس پر خرچ کرے۔

● اسلام نے ایک منصفانہ اور باوقار تقسیم کی صورت میں عورت کو میراث میں اس کا حق دیا جس میں بہت سارے مواقع پر مرد کو عورت کے مساوی حصہ ملتا ہے اور بعض مواقع پر اس کا حصہ عورت سے مختلف یعنی کچھ کم یا زیادہ ہوتا ہے اور یہ کمی بیشی اس کی قرابت اور اس پر عائد خرچ کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اب یہ بہت سطحی انداز فکر اور کوتاہ نظری ہوگی کہ کوئی شخص بعض مواقع پر عورت کے حصے کے مرد کے حصے سے کم ہونے پر ہی نگاہ رکھے اور اس کے مقابلے میں ان مالی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دے جو اللہ جل جلالہ نے مرد پر عائد کی ہیں جیسے عورت کا نفقہ وغیرہ۔ چنانچہ اسلام ایک مکمل اور متوازن نظام ہے جس میں یہ نہیں ہوتا کہ کسی ایک جانب پر زیادہ توجہ دے دی جائے اور دوسری بالکل نظر انداز کر دی جائے۔

● اسلام نے ایسی کمزور عورت کی خدمت کی اہمیت اور فضیلت پر زور دیا جس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو اگرچہ وہ عورت آدمی کی رشتہ دار نہ بھی ہو۔ اسلام نے اس کی خدمت کی ترغیب دلائی اور اسے اللہ جل جلالہ کے نزدیک افضل ترین اعمال میں شمار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله،
والمقاتم لا يفتر وکالصائم لا يفطر»

«بیوی اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا شخص ایسے ہے جیسے اللہ جل جلالہ کہ راہ میں جہاد کرنے والا اور وہ شخص جو قیام اللیل کرتا ہے اور اس میں کبھی سست نہیں پڑتا اور وہ روزہ دار جو کبھی افطار نہیں کرتا»۔ (بخاری: 5661)

اسلام نے ایک منصفانہ اور باوقار تقسیم کی صورت میں عورت کو میراث میں اس کا حق دیا جس میں بہت سارے مواقع پر مرد کو عورت کے مساوی حصہ ملتا ہے اور بعض مواقع پر اس کا حصہ عورت سے مختلف یعنی کچھ کم یا زیادہ ہوتا ہے۔

”

ایک ایسے وقت میں جب کہ کچھ لکھاری اسلام پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ عورت پر ظلم کرتا ہے اور ان کے حق میں زیادتی کا ارتکاب کرتا ہے اور ان کے بقول قرآن نئے دور اور تہذیب جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیہ جیسے ایک ترقی یافتہ ملک میں اسلام میں نئے داخل ہونے والے افراد میں سے ۷۵ فیصد عورتیں ہیں اور وہ بھی وہ جو گھر بار اور خاندان کے بارے میں اسلامی احکامات اور قوانین کا مطالعہ کر چکی ہوتی ہیں۔ (INDEPENDENT 6-11-2011)



عورتیں جن کا خیال رکھنے کی اسلام نے تاکید کی



ماں: ایک آدمی اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پوچھنے لگا کہ اے اللہ جل جلالہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: « اُمک » « تیری ماں »۔ اس نے پوچھا کہ اس کے بعد کون زیادہ حق دار ہے؟ آپ نے فرمایا: « ثم اُمک » « پھر بھی تیری ماں ہے »۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: « ثم اُمک » « پھر بھی تیری ماں ہے »۔ اس نے پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ « ثم أبوک » « اس کے بعد تیرا باپ زیادہ حق دار ہے »۔ (بخاری: 5626)



بیٹی: نبی کریم صلی اللہ لہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَأَطَعَمَهُنَّ
وَسَقَاهُنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَّتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ
النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

«جس کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے،
انہیں اپنی استطاعت کے مطابق کھلائے پلائے اور کپڑا
پہنائے تو وہ قیامت کے دن جہنم سے اس کے لئے
حجاب بن جائیں گی»۔ (ابن ماجہ: 3669)



بیوی: اللہ جل جلالہ کے رسول نے فرمایا:

«خَيْرَكُمْ خَيْرَكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرَكُمْ لِأَهْلِي»

«تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی
بیویوں کے لئے بہتر ہوں اور میں اپنی بیویوں کے
لئے تم میں سے سب سے بہتر ہوں»۔ (ترمذی:
3895)



اسلام میں مرد و عورت کے باہمی تعلق کی نوعیت تکمیلی ہے نہ کی نزاعی۔ چنانچہ مسلم معاشرے کی تعمیر میں ان میں سے ہر ایک دوسرے میں موجود کمی کو پورا کرتا ہے۔

اسلام میں دونوں جنسوں کے مابین نزاع کی کوئی گنجائش نہیں ہے

اسلام میں مرد و زن کے مابین معرکہ آرائی کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی متاعِ دنیا پر مقابلہ بازی ہی کوئی مفہوم رکھتی ہے۔ اسلام میں نہ تو عورت کے خلاف مہم جوئی مرغوب ہے اور نہ ہی مرد کے خلاف اور نہ یہ پسند کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی پر کھیچڑا اچھالا جائے یا اس کے عیوب تلاش کئے جائیں اور اس کی خامیوں کی ٹوہ میں لگا جائے۔

انسان اپنے دوسرے نصف جزء سے کیسے لڑ سکتا ہے۔
 ہم جنس اپنے ہی ہم جنس سے کیسے گتھم گتھا ہو سکتا ہے۔
 جیسا کہ رسول کریم نے فرمایا کہ عورت مرد کی ہم جنس
 یعنی اسی کی مانند ہے اور اس کا نصفِ ثانی ہے اور دونوں
 ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں بایں طور کہ مسلمان
 معاشرے کی تعمیر میں ان میں سے ہر ایک دوسرے میں
 موجود کمی پورا کرتا ہے۔

قرآن ایک بہت ہی انوکھے انداز میں اس باہمی تکمیلی کردار
 کی یہ کہہ کر تصویر کشی کرتا ہے کہ:

﴿هٰذِهِ لِبَاسٍ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٍ لِّهِنَّ﴾ [البقرة: 187]

«تمہاری بیویاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے
 لباس ہو»۔

مرد کو پہلی نظر میں عورت میں جو کمزوری دکھائی
 دیتی ہے وہ دراصل طاقت ہی کی ایک دوسری صورت
 ہوتی ہے جس سے مرد محروم ہوتا ہے لیکن خاندان کو
 اس کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کو مرد میں جس
 شے کی محسوس ہوتی ہے وہ بسا کوئی ایسی صلاحیت ہوتی ہے
 جو عورت کے لئے تو موزوں نہیں ہوتی تاہم زندگی اور
 معاشرے کا اس کے بغیر صحیح طور پر چلنا ممکن نہیں ہوتا۔
 یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہے کہ اللہ جل جلالہ جنس انسانی
 کی دو انواع پیدا فرمائے یعنی مرد اور عورت اور پھر یہ
 مطالبہ کیا جائے کہ ان کے مابین ہر بات میں مماثلت ہونی
 ضروری ہے۔

جب کچھ مردوں نے تمنا کی کہ کاش انہیں بھی وہی حقوق ملتے جو عورتوں کو حاصل ہیں اور کچھ عورتوں کی یہ خواہش ہوئی کہ کاش ان کو بھی وہ حقوق ملتے جو مردوں کو میسر ہیں تو قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا أَكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا أَكْتَسَبْنَ وَسَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝﴾ [النساء: 32]

» اور تم اس چیز کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ جل جلالہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور اللہ جل جلالہ سے اس کا فضل مانگا کرو، بیشک اللہ جل جلالہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔«

چنانچہ ہر ایک کی اپنی خصوصیات، اپنے اپنے کام اور اپنی اپنی فضیلت ہے اور ہر کوئی اللہ جل جلالہ کے فضل کی تلاش اور اس کی رضا جوئی میں اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شریعت نہ صرف مردوں کے لئے ہے اور نہ صرف عورتوں کے لئے بلکہ شریعت تو انسان، خاندان اور پورے مسلمان معاشرے کے لئے ہے۔

مرد اور عورت کے مابین تعلق

تاریخ میں مرد اور عورت کے باہمی تعلق کو کچھ حدود و قیود، قوانین، عادات و طرز سلوک کی روشنی میں منظم اور منضبط کرنے کے سلسلے میں متعدد انسانی کاوشیں اور رجحانات سامنے آئے ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔ تاریخ اور علم بشریات (Anthropology) کی کتابوں میں ایسی قوموں کا بھی ذکر ہے جو مکمل عریانیت اور مرد و زن کے مابین کھلی جنسی آزادی میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتی تھیں اور ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جو خوف کی وجہ سے عورت کو بیڑیوں میں جکڑ کر رکھتے اور ایسے لوگوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو عورتوں کی بجائے مردوں کو ڈھانپ کر رکھتے یا پھر جسم کے صرف بعض اعضاء کو چھپاتے اور بغض کو کھلا رکھتے اور ان کے علاوہ بھی دیگر بہت سے لوگوں کے احوال ملتے ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔

زیادہ تر اقوام خاص طور پر وہ اقوام جو کچھ مہذب اور متمدن تھیں یہ بات سمجھتی تھیں کہ یہ معاملہ کسی نظام اور قانون کو محتاج ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ زندگی ایک جنگل یا جانوروں کے باڑھے کا نقشہ پیش کرنے لگ جائے اور انسان اور جانوروں کے مابین موجود تمام فرق ہی ختم ہو جائیں۔





”

زیادہ تر اقوام خاص طور پر وہ اقوام جو کچھ
مہذب اور متمدن تھیں یہ بات سمجھتی تھیں
کہ یہ معاملہ کسی نظام اور قانون کو محتاج ہے تا
کہ یہ نہ ہو کہ زندگی ایک جنگل یا جانوروں کے
باڑھے کا نقشہ پیش کرنے لگ جائے اور انسان
اور جانوروں کے مابین موجود تمام فرق ہی ختم
ہو جائیں۔



اسلام میں مرد اور عورت کے باہمی تعلق کی نوعیت
 اسلام میں مرد و عورت کا باہمی تعلق کسی محدود انسانی
 سوچ کا نتیجہ نہیں ہے جس نے تاریخی اور جغرافیائی عوامل
 سے جنم لیا ہو بلکہ یہ ایک کامل نظام ہے جو ہر زمانے اور
 ہر جگہ کے لئے موزوں ہے، جسے اللہ جل جلالہ نے قرآن
 کریم میں نازل کیا اور رسول کریم یعنی محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم نے لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔

عورت مرد کے لئے جو حیثیت رکھتی ہے اس اعتبار سے
 اس تعلق کی نوعیت اور حدود بدلتی رہتی ہیں جیسا کہ اسلام
 اس کی وضاحت کرتا ہے۔

اسلام میں عورت کے اعتبار سے مردوں کی کچھ اقسام ہیں:

1 مرد شوہر ہو

میاں بیوی کے مابین اس تعلق کا اس سے زیادہ واضح اور بلیغ بیان اور کوئی نہیں ہو سکتا جو قرآن میں آیا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے شوہر کو بیوی کے لئے لباس اور بیوی کو شوہر کے لئے لباس قرار دیا ہے جو کہ ان دونوں کے مابین نفسیاتی، جذباتی اور جسمانی تعلق کی ایک بہت ہی شاندار تصویر کشی ہے۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [البقرة: 187]

وہ بیویاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔

2 مرد عورت کا کوئی محرم ہو

محرم سے مراد وہ شخص ہے جس کا کسی قریبی رشتہ داری کی بنا پر اس عورت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو۔ رشتہ دار مردوں میں سے 13 قسم کے مرد وہ ہیں جو محرم شمار ہوتے ہیں جیسے باپ، دادا، بیٹا، بھائی، چچا، ماموں، بھتیجا یا بھانجا اور پوتا یا نواسہ وغیرہ۔ عورت اپنے محرم مردوں کے سامنے معمول کے لباس میں بنا کسی عریانی کے حجاب کئے بغیر آ سکتی ہے۔

3 مرد عورت کے لئے اجنبی ہو

اجنبی مرد سے مراد ہر وہ مرد ہے جو عورت کا محرم نہ ہو۔

اسلام نے عزت و آبرو کے تحفظ اور انسان کو شیطانی جھانسنے سے بچانے کے لئے کچھ ایسے اصول اور قوانین وضع کئے ہیں جو مرد کے اجنبی عورت کے ساتھ تعلق کو کنٹرول کرتے ہیں کیونکہ جس ذات نے انسان کو پیدا کیا ہے وہ زیادہ بہتر جانتی ہے کہ اس کے لئے کیا بہتر ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَن خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ
الْخَبِيرُ﴾ [المَلِك: 14]

«کیا وہی نہ جانے گا جس نے
پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ باریک
بین اور باخبر ہے»۔





اسلام نے اجنبی مردوں کے سامنے حجاب کو کیوں مشروع کیا؟

- تاکہ عورت اپنی عزت و عفت کو محفوظ رکھتے ہوئے معاشرے میں علمی اور عملی میدانوں میں بہترین انداز میں اپنا مقصد زندگی پورا کر سکے۔
- ایک طرف سے معاشرے میں بے راہ روی اور ہیجان انگیزی کے اسباب میں کمی لانا اور دوسری طرف عورت کی عزت کی حفاظت کرنا۔
- عورت کی طرف دیکھنے والے مردوں کو پاکدامن رہنے اور خود کو قابو رکھنے میں مدد کرنا۔ چنانچہ مرد عورت کو فطری خواہشات و جذبات کو بھڑکانے والی ایک شے یا دل لگی اور لطف اندوزی کے ذریعے کی بجائے انہی کے طرح ثقافتی اور علمی عناصر کا حامل ایک انسان سمجھتے ہیں۔

مرد اور اجنبی عورت کے باہمی تعلق کے کچھ ضوابط

1 نظر نیچی رکھنا

اللہ جل جلالہ نے مرد اور عورت دونوں کو غض نظر یعنی ایسی اشیاء کی طرف نہ دیکھنے کا حکم دیا جو جذبات کو بھڑکاتی ہوں کیونکہ ایسا کرنے سے پاکیزگی ملتی ہے اور عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے جب کہ نظر کو بغیر کسی قدغن کے آزاد چھوڑ دینا گناہوں اور برائیوں کا سبب ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾ 30 وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ ﴿[النور: 30-31]

«ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں»۔

2 ادب اور اخلاق سے مسپا آنا

مرد اور عورت عملی اور علمی امور میں ایک دوسرے سے پورے ادب اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں اور ہر اس بات سے گریز کرتے ہیں جس سے کسی بھی انداز میں فطری جذبات کو انگلیخت ملتی ہو۔




3 حجاب

اللہ جل جلالہ نے حجاب کو مرد کی بجائے عورت کے لئے مشروع کیا کیونکہ اللہ جل جلالہ نے عورت میں ایسے جمالیاتی مظاہر اور برانگیختہ کرنے کے عوامل ودیعت کئے ہیں جن کی بنا پر وہ مرد کے لئے زیادہ فتنہ کا باعث ہوتی ہے بنسبت مرد کی اس کے لئے فتنہ انگیزی کے۔ اس لئے ہم قدیم تاریخ سے لے کر آج تک یہی دیکھتے ہیں کہ عورت ہی کو مرد کی شہوت رانی کے لئے غلط انداز میں استعمال کیا جاتا رہا ہے نہ کہ مرد کو عورت کے لئے اور آج کل ذرائع ابلاغ میں بھی یہ بات بالکل واضح نظر آتی ہے۔



”

اسلام میں حجاب کو تنقید کا نشانہ بنانے والے اس بات کو بھلا دیتے ہیں کہ تاریخ کی سب سے عظیم عورت یعنی کنواری مریمؑ کی تصاویر میں وہ حجاب کے ساتھ ہی دکھائی دیتی ہیں جو مسلمانوں کے حجاب سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔



کھانے پینے کے
بارے میں اسلامی
قانون

جو شخص اسلام کی حقیقت جاننا چاہتا ہے وہ عام طور پر سب سے پہلا سوال یہی کرتا ہے کہ مسلمان شراب اور سور کو حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟



اس سوال کے جواب کے لئے ایک بہت اہم وضاحت کی ضرورت ہے:

زمین پر موجود ہر شے سے نفع اٹھانا قرآن نے مسلمانوں کے لئے مباح قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں صریح قرآنی نص موجود ہے کہ اللہ جل جلالہ نے زمین میں موجود ہر شے ہمارے نفع کے لئے پیدا کی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ أَسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾
[البقرة: 29]

﴿وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے﴾ [البقرة: 29]

انہی میں کھانے پینے کی اشیاء بھی شامل ہیں جو سب مباح ہیں سوائے ان اشیاء کے جو اپنی ناپاکی یا مضر صحت ہونے یا عقل سلب کر لینے کے بسبب حرام قرار دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں سور اور شراب کی حرمت کے بارے میں جاننا اہمیت کا حامل ہے۔

سور

قرآن میں واضح طور پر سور کھانے کی حرمت کا بیان ہے حالانکہ عربوں کے ہاں اس وقت سور معروف نہیں تھا۔ بعض لوگ اس حرمت کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں حالانکہ یہ صرف مسلمانوں کے نزدیک ہی حرام نہیں بلکہ یہودیوں کے ہاں بھی حرام ہے اور عہد قدیم (Old Testament) میں اس کی حرمت پر صریح نصوص موجود ہیں۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ بہت سے مذہبی سکالرز کے نزدیک سور عہد جدید (New Testament) میں موجود واضح نصوص کی بنا پر عیسائیوں کے ہاں بھی حرام تھا تاہم بعد ازاں اس میں تحریف اور تبدیلی کر دی گئی۔ دیکھئے: (انجیل مرقس، 11-13/5، انجیل متی: ۶۷، پطرس رسول کا دوسرا خط، انجیل لوقا: 11/15)

اس بات میں آخر کیا مانع ہے کہ زیادہ تر اشیاء کو ہمارے لئے جائز کر دینے کے بعد اللہ جل جلالہ ہماری آزمائش کے لئے کھانے کی کچھ اشیاء منع فرمادے اور اس طرح سے ہمارے ایمان اور فرماں برداری کا امتحان لے جیسا کہ آدم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا کہ جنت کی سب پاکیزہ اشیاء سے کھانا ان کے لئے جائز قرار دیا سوائے ایک معین درخت کے جس کا کھانا ان کے لئے حرام ٹھہرا دیا تھا۔

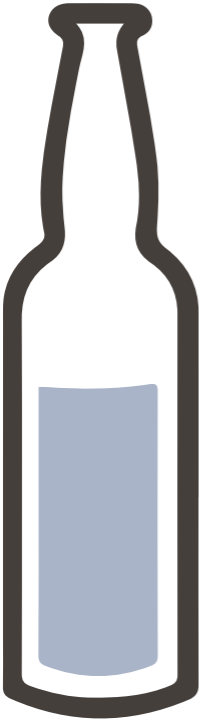


شراب اور الکحل

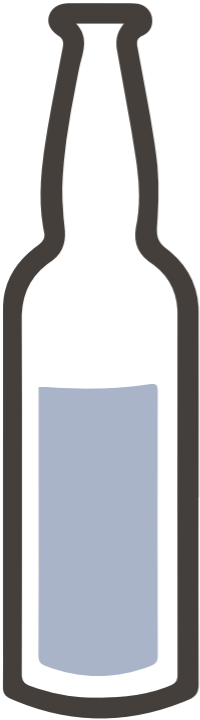
وبائی امراض اور بیماریاں جو انسانی زندگی کو تباہ کر دیتے ہیں ان سے نمٹنا اور انسانی صحت اور زندگی کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے سخت قوانین اور نظام وضع کرنا ریاستوں اور حکومتوں کی اہم ذمہ داری ہے اور ان میں واقع ہونے والے کسی بھی خلل سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر بدترین اثرات مرتب ہوتے ہیں۔



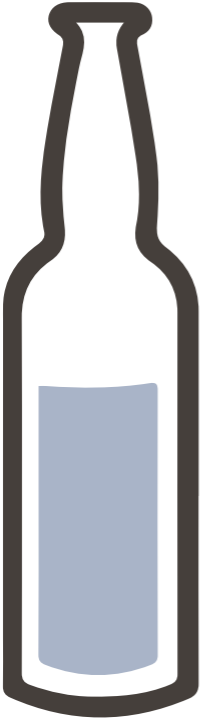
شاید یہ معلومات ہم سب کے لئے حیرت انگیز ہوں کہ
 معتبر تحقیقات جیسے عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ اور آکسفورڈ
 یونیورسٹی کی طرف سے کی جانے والی ایک تحقیق کی رو
 سے جو Nature نامی ایک جریدے (15, 2015, March
 275-483) میں شائع ہوئی ہے اور عالمی ادارہ صحت کی
 رپورٹ بتاریخ ۱۱ فروری ۲۰۱۱ء کے مطابق سالانہ شراب کی
 وجہ سے مرنے والوں کی تعداد ایڈز، ملیریا اور تپِ دق سے
 مرنے والوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے اور یہ تعداد
 اس سال تمام جنگوں، نسل کشی کے واقعات اور دہشت
 گردی میں مرنے والوں کی تعداد کا تین گنا بنتی ہے۔ اس
 تحقیق اور عالمی ادارہ صحت کی رپورٹس کے ثابت کردہ کچھ
 اعداد و شمار آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں:



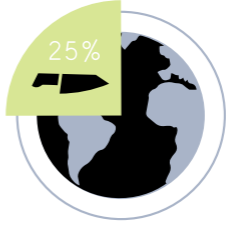
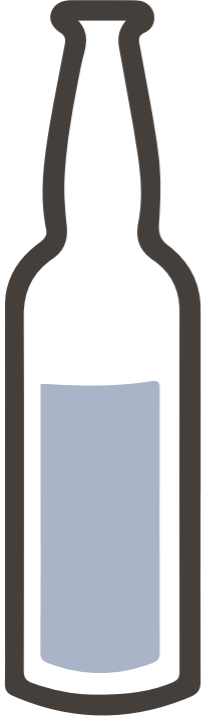
الکحل کے استعمال اور شراب نوشی کی عادت کی وجہ سے سالانہ اڑھائی ملین سے زیادہ افراد موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور ان میں سے 320000 وہ نوجوان ہوتے ہیں جن کی عمریں 15-29 سال کے مابین ہوتی ہیں۔ پوری دنیا میں یہ لوگ ایسے اسباب کی بنا پر اپنی زندگی کا خاتمہ کر بیٹھتے ہیں جن کا تعلق شراب نوشی سے ہوتا ہے اور پورے سال میں اس عمر کے نوجوانوں کی جو اموات واقع ہوتی ہیں ان کا یہ 9 فی صد بنتی ہیں۔



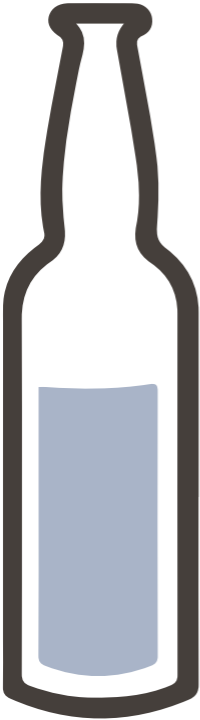
ایک امریکی تحقیق کے مطابق
سالانہ یونیورسٹی کے ۷ لاکھ
طالب علم ان دوسرے طالب
علموں کے حملوں کا نشانہ بنتے ہیں
جنہوں نے بہت زیادہ شراب پی
رکھی ہوتی ہے۔



2001ء کی ایک تحقیق کے مطابق ایسٹونیا کے نوجوانوں نے سالانہ جن پُر تشدد جرائم کا ارتکاب کیا ان میں سے 80 فیصد کا سبب حد سے زیادہ شراب نوشی تھا۔



دنیا بھر میں قتل کے ایک
چوتھائی جرائم میں شراب کا دخل
سمجھا جاتا ہے۔



عالمی ادارہ صحت کے تمام اعداد و شمار اور رپورٹیں تمام ممالک سے یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ شراب کی وجہ سے روزانہ پیش آنے والے ان سانحات کو کم کرنے یا ان کی روک تھام کے لئے سخت اقدامات کریں اور قوانین وضع کریں۔

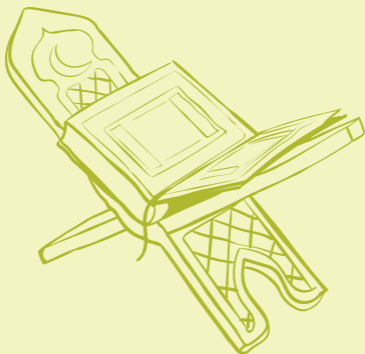


صرف بریطانیہ میں ایک سال کے دوران:

- تقریباً دس لاکھ ایسے پر تشدد جرائم ہوئے جن کا تعلق شراب کے ساتھ تھا۔ متاثرین کے نقطہ نظر سے پر تشدد واقعات پر مشتمل تقریباً نصف جرائم شراب کی وجہ سے پیش آئے۔

- شراب نوشی کی وجہ سے تقریباً ۷ ملین لوگ ہسپتالوں کے شعبہ حادثات اور ایمر جسی میں داخل ہوتے ہیں جن کے علاج پر سالانہ 650 ملین برطانوی پاؤنڈ خرچ آتا ہے جو ٹیکس ادا کرنے والے عوام کی جیب سے ادا ہوتا ہے۔

- مجموعی طور پر ایک اندازے کے مطابق شراب سے منسلک جرائم اور فسادات کی بدولت 8 سے لے کر 13 بلین برطانوی پاؤنڈ سالانہ خرچ آتا ہے جس کا بوجھ ٹیکس ادا کرنے والے عوام پر پڑتا ہے۔



قرآن الکحل اور شراب کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

اسلام نے فرد اور معاشرے پر شراب کے اثرات کو جاننے کے لئے عالمی ادارہ صحت کی رپورٹوں کا انتظار نہیں کیا کیونکہ جس ذات نے انسان کو تخلیق کیا ہے وہ خوب جانتی ہے کہ کون سی اشیاء انسانی زندگی اور معاشرے کے لئے بہتر ہیں۔

اسلام ابتدائی طور پر عرب لوگوں کے لئے آیا جن کا نشے اور شراب سے چولی دامن کا ساتھ تھا اور ہر قسم کی شراب ان کی لطف اندوزی کا پسندیدہ ترین ذریعہ تھا۔ اس پر وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے اور اس کے حصول کے لئے اپنا ہر مال خرچ کرتے۔

قرآن نے اس معاملے میں بڑا منطقی اور معتدل رویہ اختیار کرتے ہوئے جہاں اس کے فوائد و منافع کو تسلیم کیا کہ اسے پینے والے کو وقتی طور پر لذت و راحت ملتی ہے اور اس کا رنج و غم دور ہوتا ہے وہیں یہ بھی بتایا کہ اس کا انجام بہت خطرناک ہے اور فرد و معاشرے کی نفسیات، رویوں اور صحت پر مرتب ہونے والے اس کے اثرات و نتائج کا علاج محال ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ [البقرة: 219]

» یہ لوگ پوچھتے ہیں: شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو: ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔«

بعد ازاں اسے ایسا شیطانی عمل قرار دیتے ہوئے سختی سے منع کر دیا گیا جو دشمنی و باہمی نفرت پیدا کرتا ہے اور بڑے اور اہم کاموں سے روکتا ہے۔ قرآن میں لوگوں سے پوچھا گیا: » پھر کیا تم اس سے رکنے والے ہو؟«۔ اس پر انہوں نے جواب دیا: ہم رک گئے، ہم رک گئے اور قرآن میں آنے والے اس اللہ جل جلالہ کے حکم کی تعمیل میں شراب کو مدینہ کی گلیوں میں انڈیل دیا گیا۔

گناہ اور توبہ

غلط اور صحیح کا فلسفہ متعدد مذاہب اور عقائد میں
اہم ترین فکری مسائل میں شمار ہوتا ہے۔ خطا و
گناہ اور توبہ و ندامت کے سلسلے میں یہ عقائد مختلف
طرز عمل رکھتے ہیں۔



اسلام انسانی فطرت کو بڑے دقیق انداز میں دیکھتا ہے۔ انسانی فطرت کا خالق اللہ جل جلالہ ہے جس میں اس نے اچھائی اور برائی دونوں قسم کے میلانات رکھے ہیں۔ چنانچہ اسلام اس سے اس طرح کا معاملہ روا نہیں رکھتا کہ گویا وہ کوئی فرشتہ ہو جس میں فطری طور پر بس اچھائی ہی کی طاقت پائی جاتی ہے بلکہ اسلام کے بقول تمام بنی آدم خطا کار ہیں۔ تاہم دوسری طرف وہ انسان کو اپنے فیصلوں اور اختیاری معاملات کا ذمہ دار بھی ٹھہراتا ہے اور یہیں سے اسلام کا تصورِ گناہ و توبہ ابھرتا ہے جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جا سکتا ہے:

• سب سے پہلی بات جو قرآن میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ گناہ بھی انفرادی ہوتا ہے اور توبہ بھی۔ اور یہ بات بغیر کسی پیچیدگی اور ابہام کے بالکل واضح انداز میں بیان کر دی گئی ہے۔ کوئی بھی ایسا گناہ نہیں جو پیدائشی طور پر انسان کے ذمہ ہو بلکہ ہر انسان گناہوں سے بالکل پاک صاف پیدا ہوتا ہے اور کسی سابقہ گناہ کا بار اس پر نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی ایسے شخص کا بھی وجود نہیں جو مغفرت کرنے اور گناہوں کو معاف کرنے کا حق رکھتا ہو۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کا گناہ ان کا اپنا ذاتی گناہ تھا اور فوری توبہ کر لینے پر آسانی اور سہولت کے ساتھ اس سے نجات مل گئی۔۔۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہر فرد کا گناہ اس کا اپنا ذاتی گناہ ہے اور ایک مبنی بر انصاف اور واضح تصور کی صورت میں توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے جو ہر شخص کو سعی و جہد کرنے اور مایوس و ناامید نہ ہونے کا پیام دیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کو اپنے گناہ کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ کسی بھی شخص کو کسی دوسرے شخص کی غلطی کی پاداش میں نہیں پکڑا جائے گا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے ہاں سے اسی حقیقت کو لے کر آئے جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے:

﴿أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ مَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۖ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ۗ 37 ۗ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ 38 ۗ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۗ 39 ۗ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۗ 40 ۗ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۗ 41﴾

[النجم: 36-41]

» کیا اُسے اُن باتوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں اور اُس ابراہیم کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہیں جس نے وفا کا حق ادا کر دیا؟ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اُس نے سعی کی ہے اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی اور اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی۔«

• اللہ جل جلالہ کے نزدیک توبہ کا شمار عظیم عبادات اور نیکیوں میں ہوتا ہے جس کا تعلق کسی خاص شخص کے ساتھ نہیں بلکہ یہ ہر ایک کے لئے ہے۔ توبہ نہ تو کسی خاص جگہ کی محتاج ہے اور نہ ہی اس کے لئے کسی انسان کے سامنے اعترافِ گناہ اور اس کی طرف سے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ اللہ جل جلالہ اور اس کے بندوں کے مابین ایک عبادت ہے۔ قرآن میں اللہ جل جلالہ کے جن اسماء و صفات کا ذکر آیا ہے ان میں «التوب الرحیم» اور «غافر الذنب» اور «قابل التوب» بھی ہیں۔ چنانچہ قرآن جنت میں جانے والے متقی لوگوں کی صفات بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اگرچہ جنت میں جانے والے متقی لوگ بعض گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تاہم گناہ کر لینے کے بعد وہ فوراً توبہ کر لیتے ہیں اور مغفرت کے خواستگار ہوتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ
فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ غَفْوَةٍ كَمَا يُصِرُّوا
عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [آل عمران: 135]

«اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو ساتھ ہی اللہ جل جلالہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ جل جلالہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے»۔



اسلام میں توبہ کے لئے سوائے اس کے اور کسی بات کی ضرورت نہیں کہ آدمی گناہ سے باز آ جائے اور اپنے سابقہ عمل پر نادم ہوتے ہوئے عزم کرے کہ دوبارہ اس کا ارتکاب نہیں کرے گا اور اگر معاملہ حقوق کا ہو تو حق داروں کو ان کے حقوق واپس کرے۔ بعد ازاں اگر اس سے دوبارہ کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس سے اس کی پہلے والی توبہ کالعدم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کی برائیاں اس پر عود کر آئیں گی بلکہ اس نے یہ ایک نیا گناہ کیا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ توبہ کرے۔

اس طرح سے اسلام میں انسان ایک توازن کی حالت میں رہتا ہے کہ جہاں وہ خوبی و بہتری کا خوگر یا اور گناہوں سے دوری کا خواہشمند ہوتا ہے وہیں پر وہ اپنی بشری فطرت سے بھی آگاہ ہوتا ہے جو بسا اوقات کمزور پڑ جاتی ہے اور اپنی ڈگر سے ہٹ جاتی ہے۔ بہر حال چاہے وقت اچھے عمل میں لگے ہونے کا اور پارسائی کا ہو یا پھر کوتاہی و کج روی ہو جائے، تمام حالات میں انسان کو کسی بھی صورت اس سمت نما کو نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ ہر حال میں اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کرے، اس سے توبہ کرے اور مغفرت کا طالب ہو۔

نیکو کار اور دوسرے لوگوں کے مابین یہی فرق ہے جیسا کہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ متقی لوگ جب کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں تو فوراً چوکنے ہو کر اللہ جل جلالہ سے توبہ

کرنے لگتے ہیں بخلاف ان لوگوں کے جو بنا کسی پرواہ اور فکرِ اصلاح کے، اپنے گناہوں میں لگے رہتے ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ﴾ [الأعراف: 201]

﴿یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں، سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں﴾ [الأعراف: 201]

اسلام میں کوئی بھی ایسا گناہ نہیں جو پیدائشی طور پر انسان کے ذمہ ہو بلکہ ہر انسان گناہوں سے بالکل پاک صاف پیدا ہوتا ہے اور کسی سابقہ گناہ کا بار اس پر نہیں ہوتا۔





دین اور عقل
کا آپس کا تعلق

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین عقل اور سائنسی طریقہ تحقیق سے ٹکراتا ہے کیونکہ ان لوگوں کی نظر میں دین کی تعلیمات وہم، من گھڑت افسانوں اور قدیم قصے کہانیوں پر مشتمل ہے۔ جب کہ سائنس اور فلسفہ باضابطہ معلومات تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں جن میں اگر تحقیق، غور و فکر اور تجربہ کی سب شرائط پائی جائیں تو وہ یقینی علمی حقائق کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال کسی حد تک درست اور کسی حد تک غلط ہے۔



جو بات درست ہے وہ تو یہ ہے کہ واقعتاً کچھ مذاہب ایسے ہیں جو عقل کے استعمال کا حق سلب کر لیتے ہیں اور بسا اوقات اس کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ ان مذاہب کے مصادر اور کتابیں من گھڑت افسانوں اور خرافات پر مبنی عقائد سے بھرے پڑے ہیں جو کائناتی اور سائنسی اصولوں کے برخلاف ہیں۔

اور جو بات غلط ہے وہ یہ ہے کہ ان سب مذاہب کے بارے بلا تفریق ایک ہی فیصلہ دے دیا جائے اور ان کے مصادر، مضامین، مناہج اور دلائل درمیان پائے جانے والے فرق کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے۔

قرآن کا مطالعہ کرنے والے شخص کو یہ جاننے کے لئے کسی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں کہ قرآن عقل کو انگیخت دیتا ہے اور اسے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے

جو شخص قرآن کریم، جو کہ اسلام کی تعلیمات کا بنیادی مصدر ہے، سے واقفیت رکھتا ہے، وہ یقیناً جانتا ہے کہ اسلام نے عقل کو جو مقام دیا ہے اس میں کوئی اور دین اس کا مقابلہ نہیں کرتا کر سکتا۔ اسی طرح قرآن سے واقفیت رکھنے والے شخص کو یہ جاننے کے لئے بھی کسی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں کہ قرآن عقل کے استعمال پر زور بھی دیتا اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن میں یہ انکاری یعنی منفی سوال، «کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟» بار بار دہرایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کریم میں یہ جملہ تیرہ مرتبہ آیا ہے۔

عقل کے استعمال کے بارے میں قرآنی راہنمائی کا اظہار کئی امور میں ہوتا ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں:



قرآن ایسے ذی عقل انسان سے مخاطب ہوتا ہے جو وسیع النظر اور ظلم و تکبر اور خوف و جہالت کی تمام صورتوں سے آزاد ہو۔ قرآن متعدد عقلی اور منطقی ثبوتوں کے ساتھ دلائل پیش کرتا ہے کہ اللہ جل جلالہ پر ایمان لانا واجب ہے۔ انہی میں سے ایک اللہ جل جلالہ کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمْ الْخَلْقُونَ 35
أَمْ خُلِقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بَلْ لَا يُوقِنُونَ 36﴾
[الطّور: 35-36]

«کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے»۔



قرآن مخالفین کے دلائل کو زیر بحث لاتا ہے اور ان تمام اقوال کا رد کرتا ہے جو کسی دلیل یا ثبوت پر مبنی نہیں ہوتے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

[البقرة: 111]

«اے نبی! ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم واقعی سچے ہو تو»۔



قرآن ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو اپنی عقل سے کام نہیں لیتے اور انہیں ان لوگوں کی مانند قرار دیتا ہے جو ہوش و حواس سے محروم ہوں کیونکہ درست فیصلہ کرنے میں اور صحیح اقدامات اختیار کرنے میں یہ لوگ ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے جن کو وہ دیکھتے اور سنتے ہیں جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُون لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي

الْصُّدُورِ﴾ [الحج: 46]

«یا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سُننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں»۔



قرآن نے انسان کو ان باتوں پر بھی متنبہ کیا جو غور و فکر کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ چنانچہ قرآن نے حواس اور عقل سے کام لینے اور ان کے احترام کی ترغیب پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ اسے ان امور سے بھی خبردار کیا جن کی بنا پر انسانی عقل غلطی کھا جاتی ہے۔ ایسا انسانی فطرت کے تقاضے کے پیش نظر کیا گیا جس میں خیر و شر کے میلانات میں کشاکش جاری رہتی ہے جس کی وجہ سے اخذ کردہ نتائج میں غلطی کا امکان یا خواہش، خوف یا فریب کی بنا پر حق گریزی کا اندیشہ ہوتا ہے۔

قرآن کی رو سے صحیح غور و فکر کی راہ میں آنے والی رکاوٹیں

■ تقلید: موروثی عقائد، رویوں اور منفی فکر پر مشتمل عادات کبھی کبھار سوچنے سمجھنے کے اسلوب پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہیں جس کے ہوتے ہوئے حق قبول کرنا اور باطل چھوڑنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو اس دلیل کی بنا پر غور و فکر ہی ترک کر دیا جاتا ہے کہ میں تو ایسا ہی دیکھتا آ رہا ہوں یا پھر میری پیدائش ہی سے ایسا چلتا آ رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن ان لوگوں کا حال بیان کرتا ہے جن کے سامنے حق بالکل واضح ہو جاتا ہے لیکن اندھی تقلید انہیں اتباع حق سے روک دیتی ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے جو حق نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جو ہم دیکھتے اور سنتے آئے ہیں اور جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا تھا۔ اس پر قرآن تبصرہ کرتا ہے کہ اگر ان کے آباؤ اجداد تعقل، علم یا ہدایت پر نہ بھی ہوں تو کیا تب بھی یہ انہی کی پیروی کریں گے صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے آباؤ اجداد تھے!!۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ ءَابَاءَنَا أُولُو كَانٍ ءَابَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾
[البقرة: 170]

«ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی

طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟»۔

■ ضد اور تکبر: بسا اوقات عقل پر درست بات واضح ہو جاتی ہے لیکن وہ پھر بھی اسے قبول کرنے اور ماننے سے باز رہتی ہے اور اپنی مصلحت یا جاہ و منزلت یا حسد کی بنا پر یا جس ذریعے سے اس تک پہنچی ہوتی ہے اسے کم تر جاننے کی وجہ سے جھٹلا دیتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ جل جلالہ نے لوگوں کی ایک قسم کے بارے میں فرمایا کہ وہ بظاہر حق کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے دلوں میں بخوبی جانتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ انہیں اسے قبول کرنے سے صرف تکبر اور ظلم نے روکے رکھا۔

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ [النمل: 14].

«اور انہوں نے ان کا ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے»۔

■ لذاتِ دنیا کی محبت: بعض اوقات عقل درست بات کا ادراک کر لیتی ہے لیکن اس میں اسے اختیار کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ لذات میں مگن ہوتی ہے۔ قرآن ہمارے ایک ایسے شخص کی مثال بیان کرتا ہے جسے

علم و دانش عطا ہوئی اور وہ اس بات میں آزاد تھا کہ اپنے علم پر عمل کرتا اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارتا لیکن اس نے اپنے علم سے منہ موڑ کر اپنی خواہش نفس کی پیروی کی اور اپنی فوری مصلحت کو ترجیح دی کیونکہ وہ اس حد تک لذات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس میں صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی تھی۔

﴿وَأْتَلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَهُ ءَايَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ 175﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلَ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرَكُهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ 176﴾ [الأعراف: 175-176]

✽ اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔

اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے، یہی حالت ان لوگوں کی ہے

جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ اس حال کو بیان کر دیکھئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔ ﴿ [الأعراف: 175-

[176

چنانچہ قرآن انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ تمام امور میں عقل استعمال کرے، سوال کرے، اور تمام سابقہ پابندیوں اور عقائد سے آزاد ہو کر اپنی ذات، کائنات اور مخلوق میں غور و فکر کرے۔

سوال یا غور و فکر سے تو وہ ڈرتا ہے جس کے دل میں کوئی ایسی بات ہو جو سوال یا غور و فکر کے خلاف ہو۔ جب کہ دین حق تو اس اللہ جل جلالہ کی ذات کی طرف سے ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس میں عقل کا ملکہ ودیعت فرمایا۔ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ اللہ جل جلالہ کی تخلیق کردہ عقل اس دین سے متعارض ہو جو اس نے لوگوں کے لئے نازل فرمایا۔ چنانچہ پھر سوال کرنے اور عقل کے مطابق عمل کرنے کا خوف کیونکر ہو گا؟

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ [الأعراف: 45].

«اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا اللہ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہان کا رب ہے»۔



”

مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں
کہ اللہ کی تخلیق کردہ عقل اس دین سے متعارض
ہو جو اس نے لوگوں کے لئے مشروع کیا ہے۔
چنانچہ پھر سوال کئے جانے یا عقل کو بروئے کار
لانے کا خوف کیونکر ہو گا؟

اسلام امن و سلامتی کا دین



بعض لوگ حیران رہ جاتے ہیں جب ذرائع ابلاغ کے ذریعے انہیں یہ علم ہوتا ہے کہ امن و سلامتی کو اسلام میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ مسلمان سلام کا لفظ اس کے معانی کے پورے احساس کے ساتھ روزانہ بار بار بولتا ہے۔

«السلام» اللہ جل جلالہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور آخرت میں اللہ جل جلالہ کی جنت کا نام چھی دار السلام ہے اور مسلمان ایک دوسرے سے ملتے وقت بھی سلام کا لفظ ہی بولتے ہیں اور اسی طرح مسلمانوں کی نماز کا اختتام بھی دو دفعہ سلام کہہ کر ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دین کا اپنا نام ہی اسلام ہے جس میں سلامتی اور طمانینت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔



اسلام سلامتی، کمزور اور عاجز ترین جانوروں کے حقوق کا احترام کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ جل جلالہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتاتے ہیں کہ۔



«أن امرأة دخلت النار في هرة، سجننها حتى

ماتت، لا هي أطعمتها وسققتها، ولا هي

تركتها تأكل من خشاش الأرض»

«ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم

میں چلی گئی جسے اس نے باندھ رکھا تھا۔ نہ تو اس نے

اسے خود کچھ کھلایا اور نہ ہی اسے چھوڑ دیا کہ وہ حشرات

الارض ہی کھا لیتی۔» (مسلم: 2242) اور ایک بدکارہ

عورت ایک کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے جنت میں چلی

گئی۔ (3280)

چنانچہ اسلام انسانی حقوق کے احترام اور لوگوں کے مابین بقائے باہمی سے متعلق حیرت انگیز مثالیں اور قوانین پیش کرتا ہے چاہے ان کے مابین جتنا بھی دینی اور فکری اختلاف پایا جائے۔ یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو وعید سنائی جو غیر مسلم پر ظلم کرتا ہے۔ یا اسے تکلیف دیتا ہے یا پھر اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لیتا ہے کہ قیامت کے دن رسول کریم اس کی طرف سے بذات خود جھگڑا کریں گے۔ (ابو داؤد: 3052)

”
نبی اسلام محمد نے اس شخص کو وعید سنائی جو غیر مسلم پر ظلم کرتا ہے یا اسے تکلیف دیتا ہے یا پھر اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لیتا ہے کہ قیامت کے دن رسول کریم اس کی طرف سے بذات خود جھگڑا کریں گے۔

اسلام دوسروں کے ساتھ جس امن و سلامتی پر مبنی سلوک روارکھنے کی دعوت دیتا ہے اس سے مراد وہ امن و سلامتی ہے جو برحق اور مبنی بر انصاف ہو، جو ہر حق دار کو اس کا حق دے، ظالم کو اس کے ظلم سے روکے اور لٹیرے کو لوٹ مار سے منع کرے۔ نہ کہ وہ پرفریب امن و سلامتی جس میں چوری شدہ مال تو چور کو دے دیا جاتا ہے اور گھر والے کو تھوڑا بہت دے دلا کر راضی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بہت سے لوگ اپنی بات اور نقطہ نظر کو ترویج دینے کے لئے غیر معین مصطلحات اور ذرائع ابلاغ کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ ہر منظر نامے کی ایک سے زائد کہانیاں اور ایک ہی واقعہ کی ایک سے زیادہ روایات ملتی ہیں۔ اور ایسے لوگ کم ہی ہیں جو حقیقت کی تلاش کی ذمہ داری لیتے ہوں اور معلومات کو ان کے اصل مصادر سے حاصل کرنے اور ان پر معروضی اور متوازن انداز میں کوئی موقف اختیار کرنے کے لئے میڈیا پروپیگنڈے کا مقابلہ کرتے ہوں۔ اور آپ کے سامنے غور و فکر کرنے کے لیے چند حقائق ہیں

”

ایسے لوگ کم ہی ہیں جو حقیقت کی تلاش کی ذمہ داری لیتے ہیں اور معلومات کو ان کے اصل مصادر سے حاصل کرنے اور ان پر معروضی اور متوازن انداز میں کوئی موقف اختیار کرنے کے لئے میڈیا پروپیگنڈے کا سامنا کرتے ہیں۔



LAUNCHING

CURIOSITY

CLICK HERE

موجودہ دور میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا دین ہے۔

آج کل اسلام امریکا سے لے کر یورپ تک اور افریقا سے لے کر ایشیا تک دنیا کے تمام گوشوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ (PEW مرکز برائے تحقیقات مذاہب، pewresearch.org) حالانکہ وسائل کی کمی ہے، مسلمان



کمزور ہیں، غلط معلومات کے ذریعے اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کے لئے عالمی ذرائع ابلاغ پوری طرح قابض ہیں اور ایسی بری باتوں کو مشہور کیا جا رہا ہے جن کا اسلام سے کوئی واسطہ اور تعلق ہی نہیں۔ ان حالات میں بھی اسلام کا پھیلنا کیا اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو مجبور کیا جا رہا ہے یا پھر لوگ قائل ہو کر اپنی مرضی سے اسے قبول کر رہے ہیں؟

ہر واقفِ حال شخص کو جو حقیقت سامنے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے دوسرے لوگوں کے حقوق کی پاسداری اور ان کے ذاتی پسند و ناپسند اور ثقافتوں کے احترام کا ان کے دلوں پر بہت اثر ہوا اور اسی وجہ سے وہ اس دین کی طرف راغب ہوئے۔ یہ طرز سلوک مسلمانوں کی طرف سے کوئی احسان نہیں تھا بلکہ یہ تو اس اصول کی تطبیق اور تعمیل تھی جسے اللہ جل جلالہ نے قرآن میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرة: 256]

«دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے»۔



کیا لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر زبردستی
مجبور کیا گیا؟

انسان ہمیشہ سے اپنی رائے اور اثر و رسوخ کو دوسروں پر
مسلط کرنے اور اپنے فائدے کے حصول کے لئے طاقت
کا استعمال کرتا رہا ہے۔ مختلف ادیان اور مذاہب سے تعلق
رکھنے والے گروہوں کے ایسے رویے کی مثالوں سے تاریخ
بھری پڑی ہے۔

مثلاً تاریخ گواہ ہے کہ دریافت کنندگان اور تارکین
وطن جب نئی دنیا تک پہنچے تو اس دوران مقامی باشندوں
کی ہولناک انداز میں نسل کشی کی گئی یہاں تک کہ ایک
ہسپانوی پادری بارتولومی (Bartolome de las Casas) اس قتل و
غارت گرمی کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح سے بیان کرتا
ہے کہ:

«وہ لوگ مقامی باشندوں کو سرے سے انسان ہی نہیں
سمجھتے تھے بلکہ وہ انہیں جانوروں سے بھی حقیر تر خیال
کرتے تھے»۔

A Brief Account of the Destruction of the
Indies by Bartolome de las Casas - Jan 1,
2009

مسلمان جب نئے علاقوں پر حکمران بنے تو انہوں
نے کیا کیا؟





مسلمانوں نے اندلس پر آٹھ سو
سال تک حکومت کی۔

مسلمانوں نے اندلس (اسپین)

پر ۱۱ء سے لے کر ۱۴۹۲ء تک، یعنی کل ۷۸۱ سال
حکومت کی۔ اندلس عالمی تہذیب کا مرکز تھا اور وہاں
پر ایک بھی عیسائی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا
گیا، اس کے برعکس ان کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا گیا
اور ملک میں ان کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا اور ان
کی حیثیت بلند ہوئی۔ اسلامی فتح سے پہلے یہودیوں پر جو
ظلم و ستم ڈھایا جا رہا تھا مسلمانوں نے اس کا ازالہ کیا۔
تاریخ ان حقائق سے بھری پڑی ہے۔

جب ایزابیل اور فرنانڈس اسپین میں مسلمانوں پر فتح
یاب ہوئے تو تمام اسلامی مظاہر پر پابندی لگا دی گئی اور
ان لوگوں کو سزا دینے کے لئے فقہی عدالتیں قائم کی
گئیں جن کے بارے میں ثابت ہو جاتا کہ وہ خفیہ طور
پر عقیدہ اسلام پر قائم ہے۔

مسلمانوں کو بے گھر اور جلا وطن کر دیا گیا۔ یہاں جو
بات توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ
ساتھ یہودیوں کو بھی اندلس سے بے دخل کر دیا گیا جو
مسلمانوں ہی کے ہمراہ اسلامی ممالک میں آگئے جہاں
انہیں پرامن پناہ گاہ اور باوقار زندگی میسر آئی۔



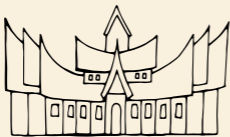
مسلمانوں نے مصر پر 1400 سال سے زائد عرصہ تک حکومت کی اور اس دوران قبطنی باشندوں کی قدر و منزلت کو ملحوظ رکھا۔

آغازِ اسلام ہی سے مصر پر مسلمانوں کی حکومت رہی جب اللہ جل جلالہ کے رسول کے ایک صحابی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا۔ اسلام نے نہ صرف اہل مصر کے دین اور مقدسات کو تحفظ فراہم کیا بلکہ مسلکی اختلاف کی بنا پر رومیوں کی طرف سے ان پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم، تشدد اور محرومیوں سے بھی انہیں نجات دلائی حالانکہ رومیوں اور مصریوں کا دین ایک ہی تھا۔ اور یوں قبطنیوں کو اپنے دین اور عبادات کے معاملے میں آزادی حاصل ہو گئی۔ آج بھی مصر میں قبطنی باشندوں کی تعداد 50 لاکھ سے زیادہ ہے۔



مسلمانوں نے ہندوستان پر تقریباً
ایک ہزار سال تک حکومت کی
اور اب بھی ہندوستان کے 80
فیصد باشندے غیر مسلم ہیں۔

مسلمانوں نے ہر صغیر پر تقریباً ایک ہزار سال تک
حکومت کی اور اس دوران انہوں نے تمام اہل مذاہب
کے حقوق اور عبادات کو تحفظ فراہم کیا اور ظلم کے
شکار مذاہب کو ظلم سے نجات دلائی۔ تمام مورخین
اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ اسلام طاقت کے بل
بوتے پر نہیں پھیلا اور نہ ہی کسی کو اسلام میں داخل
ہونے پر مجبور کیا۔



سب سے بڑا ملک جہاں
اسلام بغیر جنگ اور بغیر
لشکر کشی کے داخل ہوا۔
انڈونیشیا مسلمانوں کی

سب سے بڑی آبادی والا ملک ہے کیونکہ اس کے
باشندوں کی تعداد 250 ملین سے زیادہ ہے جن میں
سے 87٪ مسلمان ہیں۔ یہاں اسلام چھٹی صدی
ہجری میں مسلمان تاجروں کے اچھے اخلاق کی
بدولت داخل ہوا اور کبھی بھی مسلمانوں کا کوئی ایک
بھی لشکر یہاں تک نہیں آیا۔ اس علاقے میں خوں
ریزی اگر ہوئی تو پرتگالی، ولندیزی اور انگریزی استعمار
کی یلغار کے بعد ہوئی۔



اسلام اور بعض
مسلمانوں کی عملی
صورتحال

یہ خوفناک تضاد کیسا ہے؟ یہ سوال وہ لوگ کرتے ہیں جو اسلامی قوانین کی حقیقت جان چکے ہوتے ہیں جو اعلیٰ اخلاق و دنیا کی تعمیر و ترقی کے لئے کوشاں ہونے اور انسانیت کو نفع پہنچانے اور لوگوں کے مابین امن کو فروغ دینے کی ترغیب دیتے ہیں تاہم جب وہ اپنے ارد گرد نظر دوڑاتے ہیں تو انہیں ایسے نمونے ملتے ہیں جو منسوب تو اسلام کی طرف ہوتے ہیں لیکن درحقیقت اس سے بہت دور ہوتے ہیں۔ چنانچہ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ لوگ دینِ حق کے پیرو ہوں؟

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بات واقعتاً حیرت کا سبب ہے اور ضرورت ہے کہ اس پر کئی پہلوؤں سے بڑے تحمل کے ساتھ غور کیا جائے۔

● یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بھی اسلام قبول کر چکا ہو یا پھر ایک مسلمان گھرانے میں اس کی پیدائش ہوئی ہو تو وہ لازماً تمام دینی شعائر پر بھی کاربند ہو گا۔ ہمارے گرد ہر جگہ حقیقتِ اسلام اور اس کی تعلیمات کے سلسلے میں بہت کمیاں و کوتاہیاں پائی جاتی ہیں اور کچھ مسلمان تو اسلام کے صرف نام کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

● لوگوں کی غلطیوں کو ان کے دین اور مذاہب کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ یہ کہنا درست نہیں کہ ہٹلر کی سرکشی اس کے دین کی وجہ سے تھی یا پھر یہ کہ عیسائی مذہب تشدد پر اُبھارتا کیونکہ ہٹلر عیسائی تھا یا پھر یہ کہ الحاد لوگوں کے قتل کا سبب ہے کیونکہ جوزف اسٹالن نے لاکھوں لوگوں کو قتل کیا تھا اور وہ ملحد تھا۔ یہ سب دعوے حقیقت سے بہت دور ہیں۔

”
لوگوں کی غلطیوں کو کسی بھی صورت میں ان کے دین اور مذاہب کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

● ہندوستان سے لے کر مغرب میں اسپین تک پوری دنیا کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جو اسلامی شان و شوکت اور اسلام کی حقیقت اور اس کی روح کی عملی تطبیق اور علم دوستی اور ترقی کی گواہ ہیں اور اس کے آثار و نشانات ابھی تک موجود ہیں اور یہ ہماری موجود تہذیب کے لئے مینارہ نور اور راہ گزر ثابت ہوئیں۔ اسی طرح ایسے نمونے بھی موجود ہیں جو موجود دور میں ترقی کی دوڑ میں حصہ لینے والے ممالک کے لئے امید کی کرن ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ علم کے تمام میدانوں میں اور دنیا کے مختلف ممالک میں انفرادی سطح پر بھی شاندار مثالیں ملتی ہیں۔

● کوئی بھی شخص میڈیکل سائنس کے پیش کردہ حقائق کو اس وجہ سے رد نہیں کرتا کہ اسے اپنے ارد گرد کچھ برے ڈاکٹروں کی مثالیں نظر آتی ہیں اور نہ ہی وہ اس بنا پر علاج کروانا چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح ان تعلیمی اداروں اور اساتذہ کی وجہ سے بھی کوئی شخص اپنے بچوں کو ان کے پاس جانے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے اس مقدس پیشے کو بدنام کر رکھا ہے۔ کیونکہ ہر بات کی حقیقت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے نہ کہ اس کی طرف منسوب کچھ بری مثالوں کو۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اسلام کی طرف منسوب کچھ افراد یا اس کے مخالفین کی طرف سے اس کی صورت مسخ کرنے کی جو سخت مہم جاری ہے اس کے باوجود بہت سے لوگ اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ اسلام کو اس کی اصل، درست اور صاف ستھری شکل میں دیکھ سکیں جس کے نتیجے میں پوری دنیا کے ممالک سے لوگ مسلسل اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

کوئی بھی شخص تعلیم کے خلاف نہیں اور نہ ہی وہ اپنی اولاد کو صرف اس وجہ سے تعلیم حاصل کرنے سے روکتا ہے کہ اس کے علم میں کچھ ایسے اسکول یا اساتذہ ہیں جنہوں نے اس مقدس پیشے کو بدنام کر رکھا ہے۔





ایک نیارخ

کتنی بار ایسا ہوا کہ کوئی فیصلہ کرنے اور کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں آپ ہچکچاہٹ کا شکار رہے ہوں اور پھر آج تک اس تردد پر اپنے آپ کو ملامت کر رہے ہوں؟

انسان کی عزت و شرف اس آزادی اور اس کی اس صلاحیت میں پنہاں ہے کہ وہ بنا کسی خوف اور ہچکچاہٹ کے ایسا فیصلہ کر سکے جو اس کے فائدے میں ہو۔

اگر مشکلات اور رکاوٹوں کے سامنے ڈٹے رہنا بہادری ہے جس پر کوئی شخص تعریف و تحسین کا مستحق ہوتا ہے تو فیصلہ کرنے کا حوصلہ جب کہ اسے اس میں اپنا فائدہ نظر آ رہا ہو اور حق بات ظاہر اور واضح ہو جانے پر اسکا اعتراف کر لینے کی جرات اس سے بھی بڑی بات ہے۔ کیونکہ یہ نفس کے سامنے شجاعت ہے اور غرور و انا پر فتح یابی کی علامت ہے جس کے اثرات اس شخص کے نفس اور شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں۔

اگر آپ نے اسلام کی امتیازی خصوصیات کو اس کے اصل مصادر سے جاننے کا یہ موقع خود کو دیا ہے تو جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس میں غور و فکر بھی ضرور کیجئے۔

اگر آپ پر اس دین کی خوشنمائی اور خوبصورتی عیاں ہو چکی ہے لیکن اسلام کی حقیقت اور اس کی خصوصیات کو جاننے کے لئے آپ کو کچھ مزید بحث و تحقیق کی ضرورت ہے تو آپ کے سامنے مطالعہ و تحقیق، گفتگو اور سوال کا ایک وسیع میدان موجود ہے۔ تاہم اب سے آپ اسلام کی طرف کسی دوسری نظر اور کسی مختلف رخ سے دیکھنا شروع کر دیں۔



آپ کا اس کتاب کو مکمل طور پر پڑھ لینا ہمارے لئے باعثِ اعزاز ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس کتاب کے مطالعہ نے آپ کے سامنے سنجیدہ نوعیت کے کئی سوالات اٹھائے ہوں گے یا کچھ مخالف و موافق افکار کو جنم دیا ہو گا۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ آپ اپنی رائے دیں یا کوئی سوال یا اعتراض ہو تو اس سے ہمیں مطلع کریں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس پر پوری توجہ دیں گے۔

بعض امور پر گفتگو کرنے اور ان کے بارے میں سوال کرنے کے لئے:



LAUNCHING

CURiOSiTY

JUST SCAN IT!!



THISISLAM.net

اپنا تجربہ ہم سے
شیئر کریں

info@modern-guide.com